تین ننھے سُراغ رساں
اور
چشمِ نُور ہیرا

تین ننھے سُراغ رساں

اور

چشم نُور ہیرا

سلیم احمد صدیقی

فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ

پہلی بار	۱۹۷۸
تعداد	۴۰۰۰
قیمت	۴روپے

لیاقت پور سے ٹیلی فون

یہ جمعے کی ایک خوش گوار شام تھی۔ موسم بڑا سہانا تھا۔ لیکن تین ننھے سُراغ رسانوں پر کڑا وقت پڑا ہوا تھا۔ خالہ ان کے سر پر کھڑی ہوئی تھیں اور اپنے بھانجے عنبر اور اس کے دونوں دوستوں نسیم پہ دھڑا دھڑ حکم چلا رہی تھیں:

یہ کرو۔ وہ کرو۔ دیکھنا، ایسا نہ ہو جائے۔ ذرا دھیان سے۔

دراصل ہوا یوں تھا کہ عنبر کے خالُو اپنی دکان کریم انٹرپرائٹز کے لیے آج

صُبح ہی ایک جگہ سامان نیلام میں خرید کر لائے تھے۔ ان کی دکان میں طرح طرح کی نادر چیزیں تھیں۔ اس لیے اُن کی دکان خوب چلتی تھی۔

عنبر، نسیم اور عاقِب اس سامان کو ٹرک سے اُتار رہے تھے۔ آج دکان ہفتہ وار تعطیل کی وجہ سے بند تھی، اس لیے رات تک یہ سامان دکان میں مناسب جگہ سجانا تھا۔

عنبر کے خالُو ٹرک سے اُتر کر نہانے دھونے چلے گئے تھے اور خالہ وہاں کھڑی اپنی نگرانی میں سامان اُتروا رہی تھیں۔ جب تینوں لڑکے مختلف سائزوں کے گُل دان اُتار کر نیچے رکھ چُکے تو خالہ جان نے تیز نظروں سے ٹرک کی طرف دیکھا اور بولیں۔ ”یہ تمام بہت احتیاط سے اُتارنا۔ دیکھنا کوئی ٹوٹ نہ جائے۔ اُنہیں اُتار کر پہلے زمین پر رکھ لو اور پھر دُکان کے اگلے حصّے میں میز پر سجانا۔“

خالہ جان کا اِشارہ اُن مجسّموں کی طرف تھا جو ٹرک کے ایک کونے میں رکھے ہوئے تھے۔ تمام مجسّمے بڑے بڑے تھے اور خوب صُورت دکھائی

دے رہے تھے۔ یہ پورے نہ تھے بلکہ کندھوں تک تھے۔ اس طرح کا ایک مجسّمہ عنبر نے لاہور کی دیال سنگھ پبلک لائبریری میں دیکھا تھا۔ عنبر کے پُوچھنے پر وہاں کے نگران نے اُسے بتایا تھا کہ یہ مجسّمہ سر دیال سنگھ مجیٹھیہ کا ہے، جنہوں نے لاہور میں پاکستان بننے سے بہت پہلے یہ لائبریری اور دیال سنگھ کالج بنوایا تھا۔

"یہ خالُو جان کیا خرید لائے؟" نسیم نے ایک آنکھ بند کرتے ہوئے عنبر سے پوچھا۔ اس نے بڑی آہستہ سے یہ بات کہی تھی لیکن خالہ جان نے سُن لی۔ "میں بتاتی ہوں کہ کیا خرید لائے تمہارے خالُو جان۔"

"یہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں خالہ جان کہ یہ مجسّمے ہیں۔" نسیم نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "میرا مطلب یہ تھا کہ یہ کس کام آئیں گے؟"

"دنیا میں کوئی چیز بے کار نہیں ہوتی، بیٹے۔" خالہ جان نے کہا۔ "یہ مجسّمے بھی بڑی آسانی سے بِک جائیں گے۔ یہاں ہر چیز بِک جاتی ہے۔"

عنبر، نسیم اور عاقِب آہستہ آہستہ اِن مجسّموں کو ٹرک سے اُتار اُتار کر زمین

پر رکھنے لگے۔ یہ کل تیرہ تھے۔ ان کا رنگ کچھ میلا ہو چلا تھا۔ یُوں لگتا تھا کہ انہیں کافی عرصے سے صاف نہیں کیا گیا۔ یہ سب مہاتما بُدھ کے مجسّمے تھے۔ ہر مجسّمے کے نیچے لکھا ہوا تھا کہ یہ مہاتما بُدھ کے کس دور کی زندگی تعلّق رکھتا ہے۔ کسی جگہ مہاتما کا چہرہ گول مٹول تھا، کسی جگہ صرف ہڈّیوں کا ایک ڈھانچہ، کسی چہرے پر خوشی جھلک رہی تھی اور کسی جگہ چہرے پر گہرے فکر کی چھاپ تھی۔ ایک مورتی مہاتما بُدھ کے بچپن کی تھی اور ایک لڑکپن کی۔

"یہ کیا لکھا ہوا ہے؟" عاقِب نے ایک مجسّمے کے نیچے اُنگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ بُدھاستیوا لکھا ہوا ہے۔" عنبر نے پڑھتے ہوئے کہا۔

"اس کا کیا مطلب ہے؟" نسیم نے پوچھا۔

"مطلب تو مجھے بھی نہیں معلوم لیکن لگتا یہی ہے کہ یہ بھی مہاتما بُدھ کا ہی کوئی روپ ہے۔" عنبر نے کہا۔ "آج تو بُدھ صاحب ہی ہمارے پیچھے پڑے

ہوئے ہیں۔" یہ فقرہ اُس نے اِتنی آہستہ سے کہا تھا کہ خالہ جان نہ سن سکیں۔

"بس، اب ٹھیک ہے۔" خالہ نے کہا۔ "اب ان مجسّموں کو ایک ایک کر کے دُکان میں لے چلو۔"

"میں تو اب تھک گیا ہوں۔" نسیم نے کہا۔

"تم تو میرے بڑے اچھّے شہزادے ہو۔ شاباش! بس یہ کام اور کر دو۔" خالہ جان نے اِتنے پیارے کہا کہ نسیم انکار نہ کر سکا۔ "یہ مجسّمے دُکان کے اندر رکھنے کے بعد تم لوگوں کی چھٹّی۔ پھر تم اپنے ہیڈ کوارٹر میں یا جہاں جی چاہے جا سکتے ہو۔ باقی کام میں اور تمہارے خالُو مل کر کر لیں گے۔ وہ اب نہا دھو کر آتے ہی ہوں گے۔" خالہ نے کہا۔

جب عاقِب آخری مجسّمہ اُٹھا کر دُکان میں لے گیا تو اُسی وقت خالُو آ گئے اور کہنے لگے۔ "بھئی، تمہارا بہت بہت شکریہ۔ تم نے ہمارا بہت ہاتھ بٹایا۔ بس، اب میں آ گیا ہوں۔ باقی خود کر لوں گا۔" یہ کہہ کر وہ ٹرک کی طرف چل

دیے۔

تینوں سُراغ رساں اب فارغ تھے اور وہ ہیڈ کوارٹر میں میٹنگ کرنے جا رہے تھے کہ عنبر کی نظر اُس سامان پر پڑی جو خالُو جان ٹرک سے اُتار رہے تھے۔ یہ پلاسٹک کے پُتلے تھے۔ اس قسم کے بڑے بڑے پُتلے کپڑے کی دُکانوں یا درزیوں کے شو کیس میں کھڑے ہوتے ہیں اور دکان دار انہیں نئ نئ وضع کے لباس پہنا دیتے ہیں۔ عنبر مُسکرایا۔ "خالُو جان ہر چیز خرید کر یہ لے آتے ہیں، اور ہر چیز اِن کے ہاں بِک بھی جاتی ہے۔"

"افّوہ! یہ آپ کیا اُٹھالائے ہیں؟" خالہ جان نے خالُو سے کہا۔

"یہ میں پُتلے اُٹھالایا ہوں۔" خالُو نے کہا۔ "یہ بڑی جلدی بِک جائیں گے۔ درزی انہیں خرید لیں گے۔"

"مجھے تو یہ پُتلے بِکتے نہیں لگتے۔" خالہ جان نے سر ہلا کر کہا۔

"نہیں۔ مجھے تمہاری رائے سے اتّفاق نہیں۔ دوسری بات یہ کہ مجھے یہ پُتلے

ایک جگہ سے بہت سستے مل گئے تھے۔ اگر ان میں سے دو بھی بِک گئے تو پیسے وصول ہو جائیں گے۔" خالُو کریم نے خالص دُکان دارانہ لہجے میں کہا۔ آخر انہیں کریم انٹرپرائز چلانے کا کئی سالہ تجربہ تھا۔

تینوں سُراغ رساں جاتے جاتے خالہ اور خالُو کی دلچسپ نوک جھونک سُننے کھڑے ہو گئے تھے۔

"اور خالُو جان، یہ مہاتما بُدھ کے اتنے سارے مجسّمے آپ کہاں سے لے آئے؟" عنبر نے کہا۔

"خوش حال پُور کا نام تُم نے سُنا ہو گا؟"

"جی ہاں۔" عنبر نے کہا۔ "وہ پہاڑی علاقہ ہے جو یہاں سے کوئی پچاس میل کے قریب۔۔۔۔۔"

"بس بس وہی۔" خالُو نے کہا۔ "خوش حال پُور کے قریب، ایک پہاڑی دامن میں، کسی آدمی کا عالی شان مکان ہے۔ اس کا سامان نیلام ہو رہا تھا،

جب میں وہاں پہنچا تو سوائے چند چیزوں کے باقی سب کچھ نیلام ہو چکا تھا۔ بس مجھے یہ مجسّمے ملے، یا ایک آدھ اور چیز۔"

"مگر اس آدمی کو، میرا مطلب ہے کہ مالک مکان کو، سارا سامان نیلام کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟"

"یہ سامان مالک مکان نے نیلام نہیں کیا۔ وہ تو مر چُکا ہے۔ یہ سامان اُس کے وکیل نے نیلام کیا ہے۔"

"ارے عنبر! اتنی دیر سے باتیں کیے جا رہے ہو۔ ذرا سا اور کام کر دو۔" خالہ جان نے اچانک کہا۔

"وہ۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔ خالہ جان، دراصل۔۔۔۔" عنبر نے کہنا چاہا مگر خالُو جان نے ہاتھ کے اشارے سے اُن کہا کہ وہ جا سکتے ہیں۔ وہ بولے۔ "بھئی، تم اتنا زیادہ تو نہ تھکاؤ انہیں کہ آئندہ یہ تمہارا کام کرتے ہچکچانے لگیں۔"

عنبر، عاقِب اور نسیم نے موقع غنیمت جانا اور جھٹ اپنے خفیہ ہیڈ کوارٹر میں پہنچ گئے۔ وہاں بیٹھ کر سب نے اطمینان کا سانس لیا۔ اُن کی میٹنگ شروع ہو چکی تھی۔

"لیکن آج کل تو ہمارے پاس کوئی گُتھّی یا مسئلہ ایسا نہیں ہے جسے سُلجھانا ہو۔" عاقِب نے کہا۔ "ہاں" نسیم نے کہا۔ "اس وقت تو۔۔۔۔"

"تم بھُول رہے ہو۔" عنبر نے کہا۔ "ہماری میز کی دراز میں تین ایسے مسئلے ہیں جو ہم حل کر سکتے ہیں۔"

"تین مسئلے؟" باقی دونوں سُراغ رساں حیرت سے اُس کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ تو ایک بھی مسئلے سے واقف نہ تھے اور اِدھر عنبر ایک نہ دو، پورے تین مسئلے بتا رہا تھا۔

"بتاؤ!" نسیم نے کہا۔

"یہ رہے وہ مسئلے۔" عنبر نے دراز کھولی اور اُس میں سے تین رسالے

نکالے۔

"اوہ!" عاقِب جو حیرت کے مارے مسئلے دیکھنے کے لیے کرسی سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا، دھم سے کرسی پر واپس بیٹھ گیا۔ "میں سمجھا۔۔۔۔"

"کیوں؟" عنبر نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "یہ ذہنی آزمائش کے مقابلے، جن میں انعام بھی مِل سکتا ہے، کیا مسئلے نہیں ہیں؟"

"ہاں، ایسے ہی مقابلے میں تو تُم نے مرسیڈیز کار ایک ماہ کے لیے حاصل کی تھی۔" نسیم نے کہا۔ "اور وہ بھی اللہ داد ڈرائیور سمیت۔"

"بس، تو پھر آؤ۔" عنبر نے پہلا رسالہ کھولتے ہوئے کہا۔ "اس میں پہلا سوال یہ ہے کہ دنیا کے کس ملک کے جھنڈے پر کُونج کی تصویر۔۔۔۔"

"ٹرن۔۔۔۔۔ ٹرن۔۔۔۔۔ ٹرن۔۔۔۔ ٹرن۔" یکایک اُن کے ٹیلے فون کی گھنٹی بج اُٹھی۔ عنبر کُونج کی تصویر والے پرچم کا ذکر درمیان میں چھوڑ کر لپکا اور ریسیور اُٹھا کر بولا:

”ہیلو! میں عنبر بول رہا ہوں۔“

”میں تمہارا چچا بول رہا ہوں، لیاقت پور سے۔“

”چچا جان! السّلام علیکم۔“

”وعلیکم السّلام۔“ چچا افضل نے کہا۔ باقی دونوں سُراغ رساں بھی ٹیلے فون پر ہونے والی یہ گفت گُو سُن سکتے تھے کیوں کہ ٹیلے فون کا کنکشن ایک چھوٹے سے لاؤڈ سپیکر کے ساتھ تھا، جو ہیڈ کوارٹر میں لگا ہوا تھا۔ ”مجھے تم لوگوں سے ایک کام ہے۔“

”فرمایئے!“

”میرے پاس میرے ایک دوست کا لڑکا بیٹھا ہوا ہے۔ اسے تمہاری ضرورت ہے۔“

”ہم آپ کے دوست کے لڑکے کی ہر ممکن مدد کریں گے۔“ عنبر نے بڑے جوش سے کہا۔ ”لیکن اُس کا مسئلہ کیا ہے؟“

"کوئی رشتے دار اُس کے لیے ایک قیمتی چیز چھوڑ گیا ہے۔" افضل چچا کی آواز آئی۔ "اب بد قسمتی سے اُسے یہ بالکل پتا نہیں کہ وہ کیا چیز ہے اور کہاں ہے۔ اگر تم کل صبح دس بجے میرے پاس آجاؤ تو لڑکا سب کچھ تُمھیں بتا دے گا۔"

مینجر سے جھڑپ

”مزا آ گیا۔“ ٹیلے فون بند ہوتے ہی نسیم چلّایا۔ ”چچا افضل نے ہمیں ایک کیس دے دیا ہے۔“

”ہاں، ایک ایسا لڑکا جس کے لیے کوئی کچھ کہیں پر چھوڑ گیا مگر اسے یہ پتا نہیں کہ وہ کیا ہے اور کہاں ہے۔“ عاقِب نے کہا۔

”یہ کیس تو اپنی جگہ بڑا اہم ہے اور ہم کل دس بجے کے بعد ہی اس پر غور کر سکتے ہیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”لیکن اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ کل لیاقت پُور

کس طرح جائیں گے۔"

"ہاں یہ مسئلہ تو ہے۔" نسیم نے کہا۔

"ٹھیک ہے!" عنبر نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔ "مجھے ایک بڑا خوب صورت حل سوجھ گیا ہے۔"

"کیا؟" عاقِب نے بے صبری سے پوچھا۔

" دیکھتے جاؤ۔" عنبر نے کہا اور ایک نمبر ڈائل کرنے لگا۔ "ہیلو!" دوسری طرف سے آواز آئی "کنگ موٹر کمپنی۔"

"یہ تو مرسیڈیز کار والوں کو ٹیلے فون کر رہا ہے۔" عاقِب نے نسیم سے کہا۔

"اس سے کیا فائدہ ہے؟" نسیم نے بڑا سا منہ بنا کر کہا۔ "اب تو ایک ماہ کی مدّت ختم ہو چکی ہے۔ کمپنی والوں نے ہمیں کار ایک ماہ ہی کے لیے تو دی تھی۔"

" دیکھیے، میں عنبر بول رہا ہوں، جس نے آپ سے مرسیڈیز کار ایک ماہ

کے لیے جیتی تھی۔"

"جی جی! فرمائیے۔" میں مینجر بول رہا ہوں۔ اُدھر سے آواز آئی۔

"کل صبح اللہ داد کے ہاتھ کار بھجوا دیں شکریہ۔"

"لیکن۔" مینجر کی آواز آئی۔ "آپ کا انعام کا ایک مہینہ تو ختم ہو چکا ہے۔"

"دیکھا؟ میں نہ کہتا تھا کہ ایک مہینہ تو اسی وقت ختم ہو گیا تھا جب ہم ڈھانچوں کے جزیرے کی مہم پر گئے تھے۔" نسیم نے کہا۔

عنبر نے ہاتھ کے اشارے سے نسیم کو خاموش ہونے کے لیے کہا اور ٹیلے فون پر بولا۔ "جی نہیں۔ میرے خیال میں ابھی ایک مہینہ ختم نہیں ہوا۔" نسیم اور عاقِب حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

مینجر کی آواز آئی۔ "آپ کے تیس دن۔۔۔ نہیں۔۔۔ ہوں۔۔۔ جی ہاں، پچھلے مہینے کی بیس تاریخ کو آپ کے تیس دن ختم ہو گئے۔"

"جناب، مینجر صاحب۔" عنبر نے ہونٹ نوچتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے

کہ آپ کے اور میرے خیال میں فرق ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ سے اس سلسلے میں آمنے سامنے بات ہو جائے۔"

"اگر آپ چاہیں تو آسکتے ہیں۔" مینجر نے کہا۔ "لیکن تیس دن ختم ہو چکے ہیں، یہاں آنے سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہو گا۔"

"بہر حال، میں پندرہ منٹ کے اندر اندر آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں۔ خُدا حافظ!"

"لیکن عنبر!" نسیم نے ٹیلے فون بند کر کے نسیم اور عاقِب کی طرف مُڑ کر کہا۔ "چلو، ہم اپنی اپنی سائیکلیں سنبھالیں اور چلیں۔"

"لیکن عنبر!" نسیم نے کہا۔ "میرا خیال ہے، مینجر ٹھیک ہی کہتا ہے۔ تیس دن واقعی پچھلے مہینے کی بیس تاریخ کو ختم ہو چکے ہیں۔ آخر تیس دن تیس ہی دن میں تو گزرتے ہیں۔"

"ہمیشہ نہیں۔" عنبر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا

ہے کہ تیس دن تیس سے زیادہ دنوں میں گزرتے ہیں اور میں وہی کر کے دکھانے والا ہوں۔"

"میرا تو خیال ہے کہ ہم وقت ضائع کر رہے ہیں۔" عاقِب نے کہا۔ اب وہ تینوں ہیڈ کوارٹر سے باہر آ چکے تھے اور اپنی سائیکلیں سنبھال رہے تھے۔

"نہیں۔" عنبر نے زور دے کر کہا۔ "ہم وقت ضائع نہیں کر رہے۔ تم جانتے ہو کہ میں وقت کی قدر کرتا ہے۔"

بہر حال، اس کے بعد تینوں سُراغ رساں خاموشی سے اپنی سائیکل پر بیٹھے اور "کنگ موٹر کمپنی" کی طرف چل دیے۔ یہ کمپنی شہر کی سب سے بڑی سڑک پر تھی۔ تینوں سُراغ رسانوں نے اپنی اپنی سائیکل سٹینڈ پر، تالے لگائے اور اندر چلے گئے۔ عنبر ذرا تیز چل رہا تھا۔ نسیم اور عاقِب بے دِلی سے آہستہ آہستہ اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔

مینجر ایک بھاری بھر کم شخص تھا۔ اس کا قد بھی کچھ چھوٹا ہی تھا جس کی وجہ سے وہ اور بھی موٹا نظر آتا تھا۔ وہ ایک بازو والی کرسی میں دھنسا ہوا تھا۔

انہیں دیکھ اس کے چہرے پر مُسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے ایک ہاتھ سے انہیں کُرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اس کے چہرے پر بولا۔ ”حساب سیدھا سادہ ہے۔ ایک مہینے کی ۲۱ تاریخ سے لے کر دوسرے مہینے کی ۲۰ تاریخ تک پُورے تیس دن بنتے ہیں، اور یہ تینوں دن گُزر چُکے ہیں۔ ظاہر ہے یہ کار ساری زندگی تو تم استعمال نہیں کرسکتے۔“

”جناب، بہتر ہو گا اگر کاغذ دیکھ لیں ایک مرتبہ یہ کاغذ دیکھ لیں۔“ عنبر نے اپنی پتلون کی جیب سے ایک مُڑا کاغذ نکالا، اور اسے سیدھا کر کے مینجر کے سامنے میز پر رکھ دیا۔ یہ اس ذہنی مقابلے کا اشتہار تھا جس کو حل کر کے عنبر نے کار ایک ماہ کے حاصل کی تھی۔ اس میں لکھا ہوا تھا:

مرسیڈیز کار مُفت استعمال کیجیے

کار بھی آپ کی اور ڈرائیور بھی آپ کا

۲۴،۲۴ گھنٹوں کے پورے ۳۰ دِنوں کے لیے

اس صفحے کو پلٹئے اور دس سوالوں کے صحیح جواب دینے کو شش آپ کی۔

انعام آپ کا۔ پیشکش ہماری

کنگ موٹر کمپنی

"یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ تم مجھے کیا دِکھا رہے ہو؟" مینجر نے کہا۔ "یہ ہماری کمپنی کے اشتہار ہے۔"

عنبر نے جھک کر ایک جگہ اُنگلی رکھتے ہوئے کہا۔ "یہاں دیکھیے، کیا لکھا ہے۔"

"یہاں؟ یہاں لکھا ہے ۲۴، ۲۴ گھنٹوں کے پورے ۳۰ دِنوں کے لیے اور یہ تیس دن تُم پُورے کر چکے ہو۔"

"جی ہاں، ہم نے تیس دن پورے کر لیے ہیں، لیکن ان میں ہر دن ۲۴ گھنٹوں کا نہیں تھا۔"

"کیا مطلب؟"

”مطلب یہ کہ عنبر نے ڈائری جیب سے نکالتے ہوئے کہا۔ ”ہم نے اس کار کو ۲۴ × ۳۰ گھنٹے تک استعمال نہیں کیا۔ بلکہ ۳۰ دنوں میں بعض دن تو ایسے آئے جب ہمیں کوئٹے کے قریب وادی میں اور گوادر کے قریب ڈھانچوں کے جزیرے میں جانا پڑا اور اس عرصے میں ہم نے کار بالکل استعمال نہ کی۔“

”افّوہ!“ مینجر جھلّا کر کہنے لگا۔ ”تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“

”میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں۔“ عنبر نے ادب سے کہا ”کہ آپ کے اشتہار کے مطابق ہم اس کار کو ۲۴، ۲۴ گھنٹوں کے ۳۰ دن یعنی کُل ۷۲۰ گھنٹے اپنے پاس رکھ سکتے ہیں اور ان میں سے ابھی تک ہم نے کار کو صرف ۷۷ گھنٹے استعمال کیا ہے۔“

مینجر پر اب جا کے عنبر کا صحیح مطلب واضح ہوا۔ اس کی شکل اس وقت دیکھنے والی تھی۔ ”وہ۔۔۔۔وہ۔۔۔۔۔۔“ وہ ہکلایا۔ ”ہمارا یہ مطلب نہیں تھا۔ ہم نے تو ۲۴، ۲۴ گھنٹے کا لفظ اشتہار میں زور پیدا کرنے کے لیے لکھا

تھا۔

"لیکن جناب، میں نے عرض کیا نا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔" عنبر نے کہا۔ "اس حساب سے اگر آپ مجھ سے پوچھیں کہ اور کتنے گھنٹے ہم اس کار کو استعمال کر سکتے ہیں تو میں ابھی۔۔۔۔"

"اُفّوہ! میں کچھ سُننا نہیں چاہتا۔" مینجر جھنجلا رہا تھا۔ "اگر تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ زندگی بھر اس کار کو استعمال کرو تو یہ ناممکن ہے؟"

"بہتر ہے۔" عنبر نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ اپنے اشتہار کا مطلب نہیں سمجھتے تو ہمیں اپنے وکیل کی معرفت سمجھانا پڑے گا۔"

"ٹھہرو۔" مینجر روہانسا سا ہو کر بولا۔ "بیٹھو، بیٹھو۔ ہم اس مسئلے کو یہیں طے کر لیتے ہیں۔ میرا خیال ہے تم بہت ذہین مگر شریف لڑکے ہو۔ میری ملازمت کا خیال کرو۔ میں نے یہ کار تمہیں لمبی مدّت کے لیے دے دی تو مجھے نوکری سے نکال دیا جائے گا۔"

”یہی تو میں چاہتا ہوں، اس لیے ہم اس مسئلے کو مل جُل کر حل کر لیتے ہیں۔“

”میں ایک پیشکش کرتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ تم دو بار اور کار استعمال کر سکتے ہو۔“

عنبر کی آنکھوں میں کام یابی کی چمک پیدا ہوئی۔ لیکن وہ بولا کچھ نہیں۔

نسیم اور عاقِب عنبر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اب فیصلہ عنبر کے ہاتھ میں تھا۔ وہ دونوں اس وقت دل ہی دل میں عنبر کی عقل مندی پر خوش ہو رہے تھے۔ ”بتاؤ، کیا تم خوش ہو؟“ مینجر نے پوچھا۔

عنبر فیصلہ کر چکا تھا۔ ”ہاں، ہم خوش ہیں۔ ہمیں آپ کی پیش کش منظور ہے۔“

”تم بہت اچھّے لڑکے ہو۔“ مینجر نے خوش ہو کر کہا۔

”تعریف کا شکریہ۔“ عنبر نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ ”اب آپ کل اللہ داد کے

ہاتھ کار بھیج دیجئے گا۔ شکریہ۔"

تینوں سُراغ رساں مینجر کے دفتر سے باہر نکل آئے۔ اُن کے دماغ میں اب ایک ہی سوال گردش کر رہا تھا۔ "کل چچا افضل کے دوست کا لڑکا انہیں کیا بتائے گا؟"

پُراسرار خط

"آؤ بھئی، لڑکو۔" چچا افضل نے کُرسی پر سے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "ادھر آ جاؤ۔ میں تمہیں اپنے دوست کے لڑکے گُل سے ملانا چاہتا ہوں۔ اس کا پُورا نام گُل افروز خان ہے لیکن عام طور پر اِسے گُل ہی کہتے ہیں۔ اور گُل! یہ ہے میرا بڑا ہی ہونہار بھتیجا عنبر۔ یہ اس کا دوست نسیم ہے۔ اور یہ عاقِب ہے۔ ان تینوں نے اب تک کئی پراسرار گُتھّیاں سُلجھائی ہیں۔ اور مجھے اُمّید ہے کہ یہ تمہارا مسئلہ بھی حل کرنے میں کام یاب ہو جائیں گے۔"

”انشا اللہ!“عنبر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ ”آپ ہمیں اپنا مسئلہ بتایئے گُل افروز صاحب۔“

لڑکے کی عُمر کوئی سترہ اٹھارہ سال کی ہو گی۔ وہ خاصا لمبا، دُبلا پتلا تھا۔ بال ذرا بھورے سے رنگ کے اور لمبے لمبے تھے۔ اس نے ایک بڑی خوب صورت سی عینک لگا رکھی تھی۔ وہ عنبر کے منہ سے اپنا نام با ادب لہجے میں سُن کر مُسکرایا اور بولا۔ ”مجھے تم لوگوں مل کر بہت خوشی ہوئی۔ لیکن میں تمہارے ساتھ بے تکلّف ہونا چاہتا ہوں۔ تم مجھے گُل افروز صاحب نہ کہو، اور نہ آپ، بس گُل کہہ کر پکارو۔“

چچا افضل مُسکرانے لگے۔ ”گُل بیٹے، اب تم انہیں اپنا مسئلہ بتا سکتے ہو۔“

”ہاں گُل، اب اطمینان سے اپنا مسئلہ بتاؤ۔ خدا نے چاہا تو ہم اسے حل کرنے میں کام یاب ہو جائیں گے۔“عنبر نے کہا۔

”خدا کرے کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ میں تو بہت پریشان ہوں، سخت پریشان۔ میرے ابّا جی کے ایک چچا تھے، جن کا نام اکرم خان تھا۔“

"ہوں!" عنبر نے کہا۔ تینوں سُراغ رساں گُل کی باتیں غور سے سُن رہے تھے۔

"ان کا انتقال پچھلے دِنوں ہوا تو اُن کے وکیل نے ہمیں ایک کاغذ بھیجا۔ میں اُسے خط کہوں گا کیوں کہ یہ ایک خط کی شکل میں ہے اور اس خط پر میرے والد کے چچا مرحوم کے دستخط ہیں۔"

"یہ خط کِس کے نام ہے؟" عنبر نے سوال کیا۔

"یہ خط میرے نام ہے۔" گُل نے کہا۔ "لیکن مصیبت یہ ہے کہ مجھے تو اس خط کا کوئی سر پیر نظر نہیں آیا۔ میرے والد صاحب نے بھی بہت کوشش کی مگر اُن کی سمجھ میں بھی اس کا مطلب نہ آیا۔"

"اور نہ میری سمجھ میں آیا۔" چچا افضل نے کہا۔ "میں، نے دو چار گھنٹے اسے سمجھنے میں خرچ کیے لیکن بے کار۔" یہ کہہ کر وہ گُل کی طرف مُڑے۔ "گُل بیٹے، انہیں وہ خط دکھاؤ۔"

گُل نے جیب میں سے ایک بٹوا نکالا اور اس میں سے تہہ شدہ ایک کاغذ۔ پھر کاغذ عنبر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”یہ ہے وہ خط۔“

عنبر نے خط گُل کے ہاتھ سے لے لیا اور بے تابی سے اُسے کھول کر پڑھنے لگا۔ نسیم اور عاقِب نے بھی اپنی کُرسیاں اُس کے نزدیک کر لیں تاکہ وہ بھی خط پڑھ سکیں۔ خط بہت باریک لکھا ہوا تھا۔ انہوں نے اٹک اٹک کر پڑھنا شروع کیا:

گُل کے لیے، جو میرے بھتیجے کا بیٹا ہے۔

دو دو فٹ دعاؤں کے بعد بُدھ کے دن تُم پیدا ہوئے تھے، اور یہی تمہارا نام ہے اور یہی دن تمہاری خوش قسمتی کی نشانی ہے۔

دیکھنا، مُشکلات کا پہاڑ تمہارے راستے کی رکاوٹ نہ بنے۔ تمہاری پیدائش کا سایہ آغاز پر بھی ہے اور اختتام پر بھی۔

گہرائی میں غور کرو۔ میرے الفاظ کا مطلب صرف تمہارے لیے ہے۔

میں کھول کر اِس لیے نہیں بیان کر سکتا کہ اس طرح وہ شے جو تمہارے لیے ہے دوسرے تلاش نہ کر لیں۔ یہ میری ملکیّت ہے۔ میں نے اِسے خریدا تھا اور یہ میرے ہی قبضے میں ہے۔

لیکن میں نے اُس کی کہانی سنی تھی۔

مگر اب پچاس سال ہو چکے ہیں۔

اس آدھی صدی میں اُس نے اپنے آپ کو پاک صاف کر لیا ہو گا۔ پھر بھی اُسے نہ تو چھین کے حاصل کیا جا سکتا ہے، نہ چُرایا جا سکتا ہے۔

دھیان رکھو۔ وقت بہت قیمتی ہے۔ یہ شے تمہارے لیے ہے۔

فقط دو دو فٹ دُعاؤں کے ساتھ

تمہارے باپ کا چچا

اکرم خان "اوئے ہوئے!" عاقِب نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ "یہ تو بہت عجیب و غریب خط ہے۔"

”اُردُو میں ہے یا فارسی میں؟“ نسیم نے کہا۔ ”میرے تو خاک پلّے نہیں پڑا۔“

عنبر کچھ نہ بولا۔ اس نے خط کو بڑے غور سے دیکھا، پھر اسے بلب کے سامنے کر کے کچھ دیکھنا چاہا کہ شاید اس پر کچھ اور خفیہ تحریر ہو۔

”خوب! بہت خوب!“ افضل چچا بولے۔ ”تمہارا یہ خیال بہت اچھّا ہے لیکن میں تمہیں بتا دوں کہ اس میں اور کوئی خفیہ تحریر نہیں ہے۔“

”آپ کو یہ کیسے یقین ہوا؟“ عنبر نے پوچھا۔

”شاباش!“ افضل صاحب نے کہا۔ ”تم واقعی سُراغ رسانوں کے سے انداز میں کام شروع کر رہے ہو۔ تو میرے اس یقین کی دو وجہیں ہیں۔“

”جی!“ عنبر نے توجّہ سے سُنتے ہوئے کہا۔

”ایک تو یہ کہ میں نے اپنے ایک دوست سے اِسے ٹیسٹ کرایا ہے جو ایک فلم اسٹوڈیو میں کام کرتا ہے۔ مختلف کیمیائی مادّوں کے باوجود اس پر کوئی

خفیہ تحریر نہیں اُبھری۔"

"اور دوسری وجہ؟"

"دوسری وجہ یہ ہے کہ جس وکیل نے یہ خط گُل کو بھیجا تھا، اُس نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ یہ خط اکرم خان نے اُس کی موجودگی میں لکھا تھا۔ یہ واقعہ اکرم خان کی وفات سے چند روز قبل کا ہے۔ جب اکرم خان کو یقین ہو گیا کہ اُس کا آخری وقت آن پہنچا ہے تو اس نے خط لکھا تا کہ گُل اس چیز کو حاصل کر لے، اور وکیل سے کہا کہ اُس کے مرتے ہی یہ خط گُل کو بھیج دے۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سوائے ان الفاظ کے جو ہم نے پڑھ لیے ہیں، اور کوئی خفیہ پیغام اِس میں نہیں ہے۔" عنبر نے کہا۔

"ہاں، جو پیغام بھی ہے، انہی الفاظ میں ہے۔" گُل نے کہا۔

"اور ان میں سے ایک لفظ بھی ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔" عاقِب نے سر ہلا

کر کہا۔

مُجھے کھولو!

"لیکن اس خط سے کچھ باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔" عنبر نے چند منٹ خط کو غور سے دیکھنے کے بعد کہا۔

"کیا؟" عاقِب نے حیرت سے کہا۔

"نمبر ایک تو یہ کہ اکرم خاں صاحب اس خط کے ذریعے اپنے پوتے کو ایک ایسا پیغام دینا چاہتے ہیں جو کہ کوئی اور نہ سمجھ سکے۔ نمبر دو، وہ اس کے لیے کوئی بہت ہی قیمتی چیز چھوڑ گئے ہیں، جو انھوں نے طویل عرصے تک

چھپائے رکھی۔ یہ بھی نظر آتا ہے کہ جس چیز کا یہ ذکر ہے، وہ نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ خصوصاً پچاس سال کے اندر اندر نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی۔ اب شاید نہ ہو۔ نمبر تین، یہ چیز ہم لوگوں کو خود ہی تلاش کرنا ہو گی۔ اگر اسے چُرایا جائے یا چھینا جائے تو یہ بات خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔"

"یہ باتیں معلوم تو صحیح ہوتی ہیں۔" گُل نے کہا۔ "مگر عنبر، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ چیز ہے کیا؟" عاقِب نے کہا۔

"اور جو کچھ بھی وہ ہے، کہاں ہے؟" نسیم نے کہا۔

"اور یہ کہ ہم اس تک کیسے پہنچیں گے؟" عنبر بولا۔ "ان سارے سوالوں کا جواب صرف اور صرف اِسی خط کے اندر چھپا ہوا ہے۔ ہمیں اس خط کے ایک ایک لفظ پر غور کرنا ہو گا۔"

"اچھا بھئی، میں چلتا ہوں۔" چچا افضل نے کہا۔ "مجھے ایک ضروری کام ہے۔ تم لوگ اطمینان سے غور کرو۔ لگتا ہے، تم اس مسئلے کو سمجھا لو گے۔

میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔" یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" عاقِب نے کہا۔ "ہمیں اس کے ایک ایک لفظ پر غور کرنا چاہیے۔"

"سب سے پہلے لکھا ہے: گُل کے لیے جو میرے بھتیجے کا بیٹا ہے۔ اس میں تو کوئی خفیہ بات نہیں۔ گُل واقعی ان کے بھتیجے کا بیٹا ہے۔" عنبر نے کہا۔ "لیکن اس کے فوراً بعد ہی وہ گُل کو دو دو فٹ دعائیں دیتے ہیں۔ معاملہ کچھ پیچیدہ ہے۔ گُل! تُم اس بارے میں کچھ جانتے ہو؟"

"نہیں۔" گُل نے کہا۔ "میں تو یہی کہہ سکتا ہوں کہ دادا جان دو دو گز دعائیں دیتے تو اچھا ہوتا۔"

"یا دو دو میٹر۔" عاقِب نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "کیوں کہ ایک میٹر ایک گز سے ایک گرہ زیادہ ہوتا ہے۔"

"آگے لکھا ہے: بُدھ کے دِن تُم پیدا ہوئے اور یہی تمہارا نام ہے۔ اب یہ

بتاؤ گُل کہ بُدھ تمہارا نام کیسے ہو گیا؟ تمہارا نام تو گُل افروز خاں ہے۔" عنبر نے کہا۔

"بُدھ تو نہیں، البتّہ بچپن میں دادا مجھے پیار سے بُدّھو کہتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ تو بُدھ کر پیدا ہوا اس لیے بُدّھو ہے اور میں اس بات پر چِڑا کرتا تھا۔ گُل نے کہا۔

"مگر تمہیں یہ بات۔۔۔۔۔۔" عنبر نے کہنا شروع کیا۔

"مجھے یہ بات میرے والد صاحب نے بتائی تھی۔" گل نے کہا۔

اس لحاظ سے تمہارے دادا کو لکھنا چاہے چاہیے تھا کہ بُدھ تمہارا نام ہے۔ لیکن انہوں نے زور دے کر لکھا ہے۔ یہی تمہارا نام ہے۔ یعنی بُدھ تمہارا نام ہے۔ اس میں تمہارا ضرور کوئی راز ہے۔" عنبر نے کہا۔ "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ دادا جان غَلَطی سے ایسا لکھ گئے ہوں؟"

"اونہوں!" عنبر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "دادا جان نے جو چیز پچاس

سال سے چھُپا رکھی تھی، اس کا سُراغ تمہیں گول مول انداز میں بتانا چاہتے تھے تاکہ وہ کسی دوسرے کے ہتھّے نہ چڑھ جائے۔"

"یہ تو تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔" عاقِب نے کہا۔ "مجھے بھی یوں محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے جان کر لفظ یہی استعمال کیا ہے۔"

"مگر اس کے آگے پھر لکھا ہے کہ یہی دن تمہاری خوش قسمتی کی نشانی ہے۔" عنبر نے کہا۔ "یہاں پھر بُدھ کا ہی ذکر ہے اور اسی میں گُل کی خُوش قسمتی بیان کی گئی ہے۔"

"میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا، جتنا جانتا تھا وہ تمہیں بتا چُکا ہوں۔" گُل نے کہا۔ "میں نے تمہیں بتا ہی دیا ہے کہ میری پیدائش بُدھ کے روز ہوئی تھی۔"

"ہوں! تم اپنی تاریخ پیدائش بھی جانتے ہو؟" عنبر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”ہاں، میری تاریخ پیدائش ۱۵ اپریل ہے۔“ گُل نے کہا۔ ”اور میں دو دن بعد پُورے اٹھارہ سال کا ہو جاؤں گا۔“

”لگتا ہے، تمہاری تاریخ پیدائش کا اس خط سے کوئی تعلّق ضرور ہے۔ تبھی اس میں لکھا ہے کہ تمہاری پیدائش کا سایہ آغاز یعنی شُروع پر بھی ہے اور اختتام پر بھی۔ اب سوچنا یہ ہے کہ وہ تعلّق کیا ہے۔“

”ایک بات میری سمجھ میں آتی ہے۔“ عاقِب نے آخر میں کہا۔ ”یہ بھی تو لکھا ہے آخر میں کہ وقت بہت قیمتی ہے۔ گویا ہمیں جو کچھ کرنا ہے، جلدی کرنا ہے۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو۔“ عنبر نے کہا۔ ”وقت واقعی بہت قیمتی ہے۔ ہو سکتا ہے ہمارے پاس اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے صرف دو دن ہوں۔“

”دو دن؟“ نسیم نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ ”مجھے تو لگتا ہے کہ ہم دو سال تک بھی اس معمّے کو نہ سلجھا سکیں گے۔“

”پیدائش کا سایہ آغاز اور اختتام پر۔ یہ بھی ایک ٹیڑھا مسئلہ ہے۔“

”میں اس بارے میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ والد صاحب کے بقول جس دن میں پیدا ہوا، اُسی دن میری ماں فوت ہو گئی تھیں۔ پیدائش کا سایہ، آغاز، اختتام کا تعلّق شاید اس واقعے سے ہو۔“

”ہوں!“ عنبر نے گہرا سانس لیا اور پھر بولا۔ ”اس کا تعلّق اس واقعے سے ہو تو سکتا ہے، لیکن میرا خیال ہے کہ اس میں بھی تمہارے لیے کوئی پیغام پوشیدہ ہے ورنہ سترہ اٹھارہ سال پہلے تمہارے پیدا ہونے کے واقعے کا وہ اتنے اُلجھے ہوئے الفاظ میں ذکر نہ کرتے۔“

”مگر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس خط کے بعض الفاظ کار آمد ہوں اور بعض بے کار۔ یعنی بعض الفاظ اس خُفیہ شے کا صحیح صحیح سُراغ بتاتے ہوں اور بعض صرف دُشمنوں کو غلط سلط راہ پر ڈالنے کے لیے استعمال کیے گئے ہوں۔“ نسیم نے کہا۔

”یہ تم نے بڑی اچھی بات کہی۔“ عنبر نے کہا۔ ”تم اب صحیح قسم کے سُراغ

رساں بنتے جارہے ہو۔" عنبر نے خط پھر پڑھتے ہوئے کہا۔ "اچھا، آگے لکھا ہے کہ گہرائی میں غور کرو۔ صاف ظاہر ہے کہ ہم گہرائی میں جائے بغیر اُن کے الفاظ کا مطلب نہیں نکال سکتے۔ اور آخر میں دادا جان نے گُل کو دو دو فٹ دُعائیں دی ہیں۔"

گُل مُسکرانے لگا۔ "بھئی، یہ دو دو فُٹ دعائیں بھی خوب ہیں۔"

"ان دو دو فٹ دعاؤں کے اندر یقیناً کوئی اہم راز پوشیدہ ہے۔" عنبر نے سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے اُمّید ہے کہ۔۔۔۔۔" گُل نے کچھ کہنا شروع کیا ہی تھا کہ عنبر نے بائیں ہاتھ کے اشارے سے اُسے روک دیا۔ وہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور ایک انگلی سے اپنا نچلا ہونٹ نوچ رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ خط کے مطلب پر غور کر رہا ہے۔ اسے یہ عادت تھی کہ جب بھی کسی اہم بات پر غور کر رہا ہوتا تو دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور ایک انگلی سے نِچلا ہونٹ نوچتا یا مسلتا رہتا۔ ایک دو منٹ کی خاموشی کے بعد اُس نے گُل سے کہا:

”بھئی گُل، تم مجھے اپنے دادا جان کے بارے میں جو کچھ بھی جانتے ہو، بتاؤ۔“

”میں نے انہیں اپنے ہوش میں کبھی نہیں دیکھا۔“ گُل نے کہا۔ ”جو کچھ میں نے اپنے والد صاحب سے سُنا وہ تُم لوگوں کو بتانے دیتا ہوں۔ میرے والد اپنے باپ اور چچا کے ساتھ بچپن میں اپنا ملک چھوڑ کر سنگاپور میں آباد ہو گئے تھے۔ چچا سیلانی طبیعت رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک دن میری پیدائش سے پہلے وہ جہاز میں سوار ہو کر افریقہ چلے گئے اور پھر اُن کا کوئی پتا نہ چلا۔ سال ہا سال گزر گئے۔ میرے والد صاحب کی شادی ہو گئی اور میرے دادا جان کا انتقال ہو گیا۔

ایک دن میرے والد کے چچا اچانک سنگاپور آن پہنچے۔ والد صاحب نے اُن سے بہتیرا پوچھا کہ وہ اتنے سال کہاں رہے، مگر انہوں نے ایک لفظ نہ بتایا۔ خیر، وہ رہنے سہنے لگے۔ میری پیدائش کے وقت وہ وہیں تھے اور اب میں دو سال کا ہوا تو ایک دن پھر ایسے غائب ہوئے کہ کسی کو پتا نہ چلا۔ یہاں

تک کہ ایک ماہ پہلے مجھے یہ خط ملا۔ تب والد صاحب نے چچا کے انتقال پر بہت افسوس کا اظہار کیا اور مجھے یہاں بھیج دیا۔"

"تم اتنی دیر میں یہاں آئے اور وہ بھی اکیلے۔" عنبر نے کہا۔

"دراصل آج کل والد صاحب کی تجارت کچھ ٹھپ ہے، اس لیے وہ خود نہ آسکے اور مجھے بھی بحری جہاز سے آنا پڑا۔ اس وجہ سے اتنا عرصہ لگ گیا۔"

"اگر تمہارے والد صاحب یہاں ہوتے تو ہو سکتا ہے اس مسئلے پر کچھ روشنی ڈال سکتے۔"

"نہیں۔ انہوں نے یہ خط بار بار پڑھا اور کہنے لگے ایک لفظ بھی اُن کی سمجھ میں نہیں آیا۔ افضل چچا ایک بار کسی کام سے سنگاپور گئے۔ تب سے میرے والد اور ان میں دوستی چلی آرہی ہے۔ والد صاحب نے مجھے افضل چچا کے پاس بھیج دیا تاکہ وہ اس سلسلے میں میری مدد کریں۔"

"تمہیں دادا جان کے انتقال کا خط کب ملا تھا؟" عنبر نے کہا۔

”ہوں!“ گُل نے غور کرتے ہوئے کہا۔ ”آج سے ٹھیک ایک ماہ اور دس دن پہلے۔ وکیل صاحب نے لکھا تھا کہ تین دن پہلے دادا جان انتقال کر چکے تھے۔“

”تم یہاں آکر وکیل سے ملے ہو؟“ عنبر نے سوال کیا۔

”نہیں۔ میں کل ہی یہاں پہنچا ہوں۔ چچا جان نے میرے یہاں آتے ہی تم لوگوں کو ٹیلے فون کر دیا تھا۔ پھر ہم نے وکیل کو ٹیلے فون کیا۔ وہ بھی آپ ہی کے شہر میں رہتا ہے۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے آج دوپہر کا وقت دیا ہے۔“

”پھر تو ہمیں فوراً چلنا چاہیے۔“ عنبر نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

افضل چچا کے گھر کے باہر مرسیڈیز گاڑی کھڑی تھی اور اللہ داد اُن کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے ان لوگوں کو آتے دیکھا تو کار کا دروازہ کھول دیا۔

عاقِب آگے بیٹھ گیا اور نسیم، عنبر اور گُل پچھلی سیٹ پر۔

"کہاں چلوں؟" اللہ داد نے پوچھا۔

"واپس شہر۔" عنبر نے کہا۔

گُل نے اپنے بٹوے میں سے ایک اور کاغذ نکال۔ یہ وہ خط تھا کو وکیل نے گُل کے والد کو لکھا تھا۔ اس کے ایک کونے میں وکیل کا نام لکھا ہوا تھا۔

احمد داؤد ایم اے ایل ایل بی، ایڈووکیٹ ہائی کورٹ، ۱۵ کورٹ روڈ۔

"ہمیں ۱۵ کورٹ روڈ جانا ہے۔" عنبر نے اللہ داد کو بتایا۔

"بہتر۔" اللہ داد نے جواب دیا اور کار اسٹارٹ کر دی۔

۱۵ کورٹ روڈ پہنچ کر اُنہوں نے بورڈ پڑھا اور دروازے پر لگی ہوئی گھنٹی بجائی۔۔۔ ایک بار۔۔۔ دو بار۔۔۔ تیسری بار۔۔۔ مگر اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔

وہ دروازہ کھول کر اندر گئے اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وکیل احمد داؤد صاحب کمرے میں نہیں ہیں۔ اور میز پر اُن کی تمام فائلیں اُلٹ پلٹ پڑی

ہیں۔نہ جانے کیا چکّر تھا۔

”وکیل صاحب! داؤد صاحب!“عنبر نے گھبرا کے پکارا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔

اچانک وکیل صاحب کی ہلکی سی بھنچی بھنچی آواز آئی۔ ”میں کواڑوں والی سبز الماری میں بند ہوں۔ مجھے کھولو۔“

وکیل صاحب

اُدھر۔۔۔۔۔ اُس الماری کو کھولو۔" عنبر نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔ نسیم اسی طرف کھڑا تھا، اس نے جھٹ آگے بڑھ کر الماری کی چٹخنی کھولی اور پھر کواڑ کھول دیے۔ کواڑ کھلتے ہی وکیل احمد داؤد دھڑام سے فرش پر آرہے۔ اُن کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے، عینک ایک کان پر لٹک رہی تھی۔ ٹائی دوسری طرف کو ڈھلکی ہوئی تھی اور سفید بال بکھرے ہوئے تھے۔ یہ غنیمت ہے کہ اُن کے مُنہ پر کپڑا بندھا ہوا نہ تھا، ورنہ انہیں مدد حاصل کرنے میں دقّت پیش آتی۔ نسیم نے جھٹ پٹ اُن کے

ہاتھ کھولے اور عاقِب نے اُن کے پاؤں آزاد کیے۔ کھڑے ہوتے ہی وکیل صاحب نے اپنی عینک آنکھوں پر جمائی، ٹائی کی گرہ ٹھیک کی اور کپڑے جھاڑنے لگے۔ عنبر اور گُل نے میز کے پیچھے گری ہوئی کُرسی کو سیدھا کیا۔ وکیل صاحب ہوش و حواس درست ہونے پر بولے:

"خدا کا شکر ہے کہ تم آ گئے، ورنہ۔۔۔ ورنہ میں تو نہ جانے کب تک اس الماری میں بند۔۔۔ ارے۔۔۔! مگر تم لوگ ہو کون؟ اور یہاں کیسے آئے؟ میرا مطلب ہے کہ کِس کام سے آئے ہو؟ اور ہاں جو کوئی بھی تم ہو، میں اپنی جان بچانے کے لیے تمہارا بہت بہت شکر گزار ہوں۔"

"میں گُل افروز خان ہوں، اکرم خان مرحوم کا پوتا۔" گُل نے اپنا تعارف کرایا۔ "آپ مجھے گُل کہہ سکتے ہیں۔ میں نے کل ہی آپ سے ملاقات کے لیے وقت لیا تھا۔"

"اوہ! بیٹھو بھئی، بیٹھو۔" وکیل صاحب نے کہا۔ "مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔ اور یہ لوگ کون ہیں؟ تمہارے دوست ہیں، شاید؟"

"جی ہاں، دوست ہی سمجھئے۔" گُل نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

عنبر نے اپنی جیب سے تین ننھے سُراغ رسانوں کا تعارفی کارڈ نکالا اور وکیل صاحب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اس کارڈ سے ہم تین دوستوں کا آپ کے ساتھ تعارف ہو جائے گا۔"

تین ننھے سُراغ رساں

ہم مُشکل سے مُشکل گتھیاں سلجھا سکتے ہیں

؟ ؟ ؟

سُراغ رساں نمبر ایک: عنبر

سُراغ رساں نمبر دو: نسیم

سُراغ رساں نمبر تین: عاقِب

وکیل صاحب نے کارڈ پڑھ کر کہا۔ ”خوب! تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔“

”یہ لوگ مجھے دادا جان کے خط کا مطلب سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں، ورنہ میں اکیلا تو اس کا ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکتا۔“ گُل بولا۔

”جی ہاں، ہم اِن کے دادا جان کے خط کا معمّا حل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔“ عنبر نے کہا۔

”بہت خوب! میں ذہین لوگوں سے مل کر بہت خوش ہوتا ہوں۔ اُفّوہ! میں اس شخص کو تو بھولے ہی جا رہا ہوں جس نے میری یہ دُرگت بنائی تھی۔ مجھے دیکھنا چاہیے کہ وہ کیا چیز اُٹھا کر لے گیا ہے۔“ وہ اپنی میز پر اُلٹ پلٹ کی ہوئی کتابوں کو سیدھا کرنے لگے۔ ”حیرت ہے! یہاں تو سب کچھ موجود ہے۔“

”تو کیا حملہ آور آپ کو مارنا چاہتا تھا؟“ عنبر نے سوچتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ اگر وہ مارنا چاہتا تو بڑی آسانی سے مار سکتا تھا۔ وہ ہٹّا کٹّا آدمی تھا اور میں بوڑھا۔ ہم دونوں میں ہاتھا پائی ہوئی اور اُس نے جلد ہی میرے ہاتھ پاؤں باندھ کر مُجھے الماری میں بند کر دیا۔ پھر کچھ دیر کمرے پر گھڑ بڑ کرنے کے بعد چلا گیا۔ اس نے یقیناً یہاں سے کوئی فائل اُڑائی ہے۔" یہ کہہ کر وہ ایک الماری کی طرف گئے اور فائلوں کو نکال نکال کر دیکھا۔ آخر ایک فائل ہاتھ میں لے کر واپس میز پر آ بیٹھے۔

"غضب ہو گیا!" وہ چلّائے۔ "گُل! یہ تو تمہارے دادا جان کی فائل ہے، اور اس میں سے اُن کے اِس پُر اسرار خط کی نقل غائب ہے۔ وہ آدمی جس نے مُجھ پر حملہ کیا، تمہارے دادا جان کے خط کی نقل اُڑا کر لے گیا ہے۔"

"مگر آپ نے اس کی نقل بنائی ہی کیوں تھی؟" گُل نے کہا۔

"بطور وکیل یہ میرا فرض تھا۔" وکیل صاحب نے کہا۔ "یوں بھی وہ خط اگرچہ میرے بھی پلّے نہ پڑا تھا لیکن تھا بڑا اہم۔ اس لیے میں نے تمہیں اصل خط بھیجنے سے پہلے اُس کی نقل فائل میں رکھ لی۔ ڈاک کے ذریعے

جانے والے بعض خطوط گُم بھی ہو سکتے ہیں۔ اگر اصل خط خدا نخواستہ گُم ہو جاتا تو ہمیں بڑی مُصیبت کا سامنا کرنا پڑتا۔“

”مگر اب؟ اب تو کوئی اسے اُڑا لے گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص ہم سے پہلے اُس قیمتی چیز کو تلاش کرنے کی کوشش کرے گا۔“ گُل نے گھبرا کر کہا۔

”گھبراؤ نہیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”ضروری نہیں کہ وہ یہ پیغام سمجھ بھی لے۔“

”پھر بھی ایک نیا مسئلہ کھڑا ہو گیا ہے۔“ نسیم نے کہا۔ ”جو قیمتی شے گُل کے دادا نے اُس کے لیے چھوڑی ہے، وہ اب دو الگ الگ آدمی تلاش کریں گے۔ ایک ہم لوگ، دوسرے وہ چور۔ اب دیکھیں کون اُس شے تک پہلے پہنچتا ہے۔“

”پہلے ہم ہی پہنچیں گے، انشا اللہ۔“ عنبر نے کہا۔ ”وکیل صاحب، آپ مجھے تفصیل سے بتائیے کہ آپ پر حملہ کب اور کیسے ہوا؟“

وکیل صاحب نے فائل واپس الماری میں رکھی، پھر کُرسی پر آکر بیٹھے اور کہنے لگے۔ ”میں نو بجے دفتر آیا اور جو مقدمے مجھے آج عدالت میں لڑنا تھے اُن کی فائل تیّار کرنے لگا۔ اچانک ایک درمیانے سے قد کا آدمی اندر آیا۔ اُس نے نظر کی عینک لگائی ہوئی تھی اور اُس کی بڑی بڑی مُونچھیں تھیں؟“

”بہت خوب!“ عنبر نے کہا۔ ”آپ نے اُس کا حلیہ بہت اچھّی طرح ذہن میں رکھا۔“

”ہاں، بیٹے۔ ہم لوگوں کا کام ہی ایسا ہے۔“ وکیل صاحب نے کہا۔ ”بہرحال، اس نے آتے ہی مجھے دھکّا دے کر کُرسی سے گرادیا اور ہاتھا پائی کرنے لگا۔ پھر اُس نے مُجھے قابو میں کرنے کے بعد الماری میں بند کر دیا اور کچھ دیر اِدھر اُدھر کھٹر بڑ کرتا رہا۔ اس کے بعد چلا گیا۔ مجھے ہوش آیا تو دروازے کی گھنٹی بجنے کی آواز سُنی، جو تم لوگ بار بار بجا رہے تھے۔ آگے کا حال تم جانتے ہی ہو۔“

عنبر کا دایاں ہاتھ اُس کے نچلے ہونٹ پر پہنچ گیا اور وہ بے دھیانی میں اُسے مسلنے لگا۔ اس کا دماغ کچھ سوچنے میں مصروف تھا۔

"وکیل صاحب۔" اس نے کہا۔ "یہ واقعہ تقریباً کتنے بجے پیش آیا تھا؟"

"کتنے بجے؟" یہ کہہ کر وکیل صاحب نے گھڑی دیکھی جو نو بج کر سترہ منٹ پر رُکی ہوئی تھی۔ "اُفّوہ! میری تو گھڑی ہی ہاتھا پائی میں خراب ہو گئی۔ اس میں نو بج کر سترہ منٹ ہوئے ہیں۔"

"گویا یہ واقعہ اب سے تقریباً دو ڈھائی گھنٹے پہلے پیش آیا تھا۔" عنبر نے اپنی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "اب تک تو چور شہر سے باہر بھی چلا گیا ہو گا۔"

"ہاں، اگر وہ باہر جانا چاہتا ہو گا تو جا چکا ہو گا۔" نسیم نے کہا۔

"وکیل صاحب۔" عنبر نے کہا۔ "آپ اس شخص کے بارے میں کچھ اور بتا سکتے ہیں؟"

"مجھے افسوس ہے کہ اِس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں جانتا۔" وکیل صاحب

نے کہا۔ ”میں بہت گھبرا گیا تھا۔ ہم وکیل لوگ مقدمے ضرور لڑتے ہیں، مگر ہاتھا پائی کبھی نہیں کرتے۔“

”ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس شخص کو یہ کیسے علم ہوا کہ اس خاص فائل میں ایک خاص خط کی نقل رکھی ہوئی ہے؟“ عنبر نے کہا۔ ”بظاہر آپ کے علاوہ اور کسی کو اس خط کا عِلم نہ تھا۔“

”ہاں، بظاہر تو میرے علاوہ اور کسی کو اس خط کا عِلم نہ تھا۔“

”جب اکرم خان مرحوم نے یہ خط لکھا تو اور کوئی آدمی وہاں تھا؟“ عنبر نے پوچھا۔

”ٹھہرو، میں یاد کرتا ہوں۔“ وکیل صاحب نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”اکرم خان اندر کمرے میں بیٹھے خط لکھ رہے تھے اور میں باہر برآمدے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اُن کے ہاں دو میاں بیوی کام کرتے تھے۔ مرد کا نام رحمت تھا۔ وہ گھر کی صفائی کرنے کے علاوہ مالی کا کام بھی کرتا تھا۔ اور اس کی بیوی کپڑے دھوتی اور کھانا پکاتی۔ وہ دونوں ایک بار اندر گئے تھے۔

لیکن وہ تو سیدھے سادے لوگ ہیں۔ اکرم خان کی وفات کے بعد وہ اپنے گاؤں چلے گئے۔"

"ٹھیک۔" عنبر نے کہا۔ "مگر وکیل صاحب، کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ان دونوں میاں بیوی نے کسی تیسرے آدمی کو کو اکرم خان کی دولت وغیرہ کا قصّہ سُنایا ہو، وہ آدمی معلومات حاصل کرنے یہاں آیا ہے اور یہاں خط کی نقل اُسے مل گئی ہو؟"

"تمہارا مطلب ہے کہ چور کو خط کی نقل کا پتا نہ تھا؟" وکیل صاحب نے کہا۔

"ہاں۔" عنبر نے کہا۔

"دراصل اکرم خان کی دولت کے بارے میں بہت سی باتیں مشہور تھیں۔ اکرم خان ایک بڑے پُر اسرار آدمی تھے۔"

"کیا مطلب؟" عنبر کا ہاتھ پھر اس کے ہونٹ پر پہنچ گیا۔

”مطلب یہ کہ یہاں کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کون ہیں اور کیا کرتے ہیں۔ وہ ایک طویل عرصے سے یہاں رہتے تھے۔ صرف ایک بار کئی سالوں کے لیے کہیں گئے تھے۔ کہاں؟ یہ کسی کو معلوم نہ ہوا۔“

”وہ سنگاپور گئے تھے، ہم لوگوں کے پاس۔“ گُل اچانک بول پڑا۔ ”اور بعد میں پھر وہاں سے غائب ہو گئے۔ یہاں آپ کے خط سے ہمیں پتا چلا کہ وہ فوت ہو گئے ہیں۔“

”ہوں!“ وکیل صاحب نے کہا۔ ”تو گویا وہ دو جگہ الگ الگ زندگیاں گزار رہے تھے۔ ایک خُوش حال پُور میں اور دوسری سنگاپُور میں۔“

”اکرم خان مرحوم خُوش حال پُور میں رہتے تھے؟“ عنبر کر پُوچھا۔

”ہاں۔ وہ خُوش حال پُور میں پہاڑی کے دامن میں ایک خوب صورت سے مکان میں رہتے تھے، جو انھوں نے مجھ سے مُلاقات سے پہلے بنوایا تھا۔ میں کہہ رہا تھا کہ وہ بڑے پُراسرار آدمی تھے اور کسی کو اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاتے تھے۔ ان کے پاس کچھ زیادہ دولت نظر نہیں آتی تھی۔

بلکہ جب وہ فوت ہوئے تو اُن کا مکان اور ہر چیز گروی پڑی ہوئی تھی۔ مجھے اُن کی گھریلو اشیا بیچ کر اُن کا قرضہ چُکانا پڑا، اور کل وہ شخص مکان کا قبضہ لے لے گا جس نے مکان کے بدلے انہیں کچھ روپیہ قرض دیا تھا۔"

"آپ کی اِن باتوں سے تو پتا چلتا ہے کہ وہ غریبی کی حالت میں مرے۔" گُل نے کہا۔ "حال آں کہ خط میں کسی قیمتی شے کے چھپائے جانے کا ذکر ہے۔"

"بہت سے لوگ کہتے تھے کہ اکرم خان نے اپنی دولت کسی خفیہ جگہ چھُپا رکھی ہے مگر مرحوم نے مُجھ سے کبھی اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ انہوں نے کئی دفعہ مُجھ سے کہا کہ یار داؤد، کچھ ایسی باتیں بھی ہیں جو میں تمہیں نہیں بتانا چاہتا۔ ان میں سے ایک تو میرا اصل نام ہے جو رحمان نہیں ہے۔ ایک اور بات۔ انہوں! چلو چھوڑو۔ بس اتنا دھیان رکھنا کہ اگر کبھی تمہیں کوئی ایسا آدمی شہر میں نظر آجائے جس کے ماتھے پر چاند تارا کھُدا ہوا ہو تو سمجھنا کہ کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہونے والی ہے۔

رحمان صاحب، میرا مطلب ہے اکرم خان صاحب ایک عجیب و غریب آدمی تھے۔ لیکن تھے دل چسپ۔ ظاہر ہے کہ جب انہوں نے خود ہی مجھے وہ راز نہ بتایا تو میں کیوں اُس کی ٹوہ میں لگتا۔"

"ایک منٹ جناب۔" عنبر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "کیا اکرم خان صاحب یہاں رحمان کے نام سے مشہور تھے؟"

"مشہور؟ مشہور تو ہم نہیں کہہ سکتے، مگر وہ اس نام ہی سے پکارے جاتے تھے۔ انہوں نے اپنا اصل نام کسی کو نہیں بتایا تھا۔ مجھے بھی نہیں۔ وہ تو جب اپنا آخری وقت قریب آتا محسوس ہوا تو انہوں نے مجھے گُل کے نام لکھا ہوا خط دیا اور اپنا اصل نام بھی بتایا۔ لیکن وہ راز کیا تھا جو انہوں نے نہ بتایا؟ یہ میں نہ جان سکا۔"

یکایک عنبر اُٹھ کر فائلوں والی الماری کی طرف گیا اور A کے خانے میں سے اکرم خان کی فائل نکال لی۔

"معاف کیجیے، وکیل صاحب۔" عنبر نے فائل دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ نے

کہا تھا کہ اکرم خان صاحب نے مرنے سے چند دن پہلے آپ کو آپ کو اپنا اصل نام بتایا تھا۔ کیا اس سے۔ پہلے اس فائل پر رحمان لکھا ہوا تھا؟"

"جی ہاں۔"

"تو آنے والے شخص نے اس فائل کو R کے خانے میں تلاش کیوں نہیں کیا؟ وہ اکرم خاں صاحب کے اصل نام کو کیسے جانتا تھا؟" عنبر نے کہا۔

عاقِب، نسیم اور گُل ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ انہوں نے اس انداز سے بات پر غور ہی نہ کیا تھا۔

"چور اکرم خان کے نام۔۔۔ کو۔۔۔ ایک ہی طرح سے جان سکتا ہے۔" وکیل صاحب نے اٹک اٹک کر کہا۔

"کیسے؟" عنبر نے پوچھا۔

"ہو سکتا ہے رحمت یا اُس کی بیوی نے اُسے بتایا ہو؟"

"رحمت یا اس کی بیوی کو اکرم خان صاحب کا اصل نام معلوم تھا؟"

”یہ میں نہیں جانتا۔“ وکیل صاحب نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے جب وہ مجھے اپنے بارے میں بتا رہے ہوں تو رحمت یا اُس کی بیوی نے بھی سُن لیا ہو۔“

چشمِ نُور

وکیل احمد داؤد کی اِن باتوں سے عنبر کی تسلّی نہ ہوئی۔ لیکن اس نے بات کو یہیں چھوڑنا بہتر سمجھا۔ وکیل صاحب بھی کچھ ٹھٹکے، پھر وہ اپنی کرسی سے اُٹھے، ایک اخبار نکال کر لائے اور کہنے لگے۔ "یہ قصّہ یہاں کے ایک اخبار میں بھی چھپا تھا۔ یہ ہے وہ اخبار۔ اس میں رحمت کا بھی تذکرہ ہے۔ ہو سکتا ہے چور اخبار پڑھنے کے بعد رحمت سے ملا ہو۔"

"مگر آپ تو کہہ رہے تھے کہ رحمت دادا جان کی وفات کے بعد اپنے گاؤں

چلا گیا تھا، گُل نے کہا۔

”ہو سکتا ہے نہ گیا ہو۔ انہوں نے مجھے یہی بتایا تھا کہ وہ سیدھے اپنے گاؤں جا رہے ہیں۔“

عنبر نے اور کوئی سوال نہ پوچھا۔ وہ پوری توجّہ سے اخبار میں چھپی ہوئی خبر پڑھ رہا تھا۔ اُس کی سرخی تھی:

”خوش حال پُور کے پاس پہاڑی کے دامن میں ایک پُراسرار شخص فوت ہو گیا۔“

سُرخی کے نیچے خبر میں، ان کا نام رحمان ہی لکھا ہوا تھا اور اس میں بتایا گیا تھا کہ وہ سال ہا سال پہلے خوش حال پُور آئے۔ اس وقت بہت دولت مند تھے۔ یہاں اُنہوں نے پہاڑی کے دامن میں ایک مکان بنوایا۔ کچھ عرصے کے لیے وہ یہاں سے پُراسرار طور پر غائب بھی ہوئے مگر پھر واپس آ گئے۔ کہا جاتا ہے کہ مرحوم کے جسم پر زخموں کے کچھ نشان تھے۔ لیکن اُن نشانات کی وجہ معلوم تو نہ ہو سکی۔

”زخموں کے نشانات؟“عنبر بڑبڑایا۔ ”وہ تو بڑے بہادُر آدمی تھے۔“

”زخموں کے نشانات؟“ بہادر آدمی؟“گُل نے خبر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ایک منٹ ٹھہرو! مجھے ایک قصّہ یاد آرہا ہے۔ یہ میرے والد صاحب کا قصّہ ہے۔ ہو سکتا ہے اس کا تعلق داداجان کے کسی راز سے ہو۔“

”یہ قصّہ اس وقت کا ہے جب میں چار پانچ سال کا تھا۔“گُل نے آنکھیں بند کر کے، یاد کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”میں ایک دن اُوپر کی منزل میں لیٹا ہوا تھا۔ رات کا وقت تھا۔ میں شاید سو چکا تھا کہ نیچے کی منزل سے زور زور سے بولنے کی آواز آئی، جس سے میری آنکھ کھُل گئی۔ میں سہم کر بستر میں گھُس گیا اور چادر سے منہ ڈھانپ لیا۔ نیچے میرے والد اور ایک اور آدمی کے بولنے کی آوازیں آتی رہیں۔ وہ آدمی بار بار پوچھ رہا تھا کہ چشمِ نُور کہاں ہے، چشمِ نُور کہاں ہے، اور میرے والد کہہ رہے تھے کہ انہیں اس بارے میں کچھ پتا نہیں۔ پھر انہوں نے کہا کہ اُن کے چچا ایک دفعہ یہاں آئے ضرور تھے لیکن انہوں نے چشمِ نُور کے بارے میں کچھ

نہیں بتایا۔"

"ایک مسئلہ تو حل ہو گیا۔" عنبر نے کہا۔ "تمہارے دادا جان نے جو چیز تمہارے لیے چھپائی ہے، وہ ایک ہیرا ہے جس کا نام چشمِ نُور ہے۔"

"افّوہ!! عاقِب کرسی سے اُچھلتے ہوئے بولا۔ "ہیرا؟ وہ تو یقیناً بڑا قیمتی ہو گا۔"

"وکیل صاحب۔" عنبر نے کہا۔ "آپ مہربانی کر کے ہمیں دادا جان کی عادتوں اور مشغلوں کے بارے میں کچھ بتایئے۔" عنبر کا دایاں ہاتھ اس کا ہونٹ مسلنے میں مصروف تھا۔

"ایک بات اور وکیل صاحب۔" نسیم نے کہا۔ "کبھی آپ سے انہوں نے چشمِ نُور کا ذکر کیا تھا؟"

"نہیں۔" وکیل صاحب نے کہا۔ "البتّہ رہی اُن کے مشغلوں یا عادتوں کی بات تو وہ میں تمہیں بتا ہی چکا ہوں۔ وہ اپنے آپ کو چھپانے کے عادی

تھے۔ بس اپنی ذات میں محو رہتے تھے۔ البتّہ مطالعے کے بہت شوقین تھے۔ مختلف مذہبوں کے بارے میں بحث بھی کیا کرتے تھے۔ اگرچہ پکّے مسلمان تھے۔ کتابیں انہوں نے بہت جمع کر رکھی تھیں۔ نادِر چیزیں جمع کرنے کا تھوڑا بہت شوق تھا۔"

"مثلاً؟" عنبر نے اچانک پوچھا۔ "بُدھ کے مجسّمے؟"

"ارے ہاں۔ بالکل صحیح۔ بُدھ کے مجسّمے یا بُت اُن کے پاس کئی تھے۔ دس پندرہ ہوں گے۔"

"اُن کا سامان کل ہی نیلام کیا گیا ہے کیوں کہ اُن کے قرض خواہ اپنا پیسا واپس لینا چاہتے تھے۔ اُن کا گھر بھی کل اس شخص کے حوالے کر دیا جائے گا جس کے پاس گروی رکھا ہوا ہے۔"

"کیا ہم اُس گھر کو دیکھ سکتے ہیں؟"

"ہاں، ضرور، لیکن یا تو آج ہی دیکھ لو، یا پھر کل صبح۔" وکیل نے جیب سے

چابی نکالتے ہوئے کہا۔ ”یہ رہی چابی، کل دس بجے یہ مجھے واپس کر دینا۔“

”بہتر۔“ عنبر نے ہاتھ بڑھا کر چابی لے لی۔ ”کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اکرم خاں گھر کو مہاتما بُدھ کی کون سی خوبی سب سے زیادہ پسند تھی؟“

”انہیں بُدھ کی معصومیت اور اس کے چہرے پر چھایا ہوا سکون پسند تھا۔“

”اچھا، اب ہمیں اجازت دیجیے۔“ عنبر نے کہا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

”اتنی جلدی کیوں بھاگ کھڑے ہوئے؟“ نسیم نے راستے میں پوچھا۔ عنبر چُپ چاپ کار میں بیٹھ گیا اور ہونٹ نوچنے لگا۔ اللہ داد نے کار اسٹارٹ کر دی تو نسیم نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

”اور یہ اچانک مہاتما بُدھ کی خوبیوں سے تمہیں کیوں دلچسپی ہو گئی ہے؟“ نسیم نے سوال کیا۔

”نہ میری جلدی بے وجہ ہے۔“ عنبر نے جواب دیا۔ ”اور نہ میرا مہاتما بُدھ کی خوبیوں سے لگاؤ۔“

”کیوں؟“

”اس لیے کہ دادا جان نے گُل کے لیے چشمِ نُور ہیرا مہاتما بُدھ کے اس مجسّمے میں چھپایا ہے جس کے چہرے پر معصومیت اور سکون دکھایا گیا ہے۔

اللہ داد! کریم انٹرپرائز چلو، فوراً۔“

چاند تارے سے ملاقات

دُکان کے سامنے کار ایک جھٹکے سے رُکی۔ چاروں لڑکے تیزی سے نکلے اور تقریباً بھاگتے ہوئے دُکان میں داخل ہوئے۔ اس وقت اتّفاق سے کوئی گاہک نہ تھا۔ خالُو کریم کاؤنٹر پر کھڑے تھے۔

دُور ہی سے عنبر کی تیز نگاہوں نے دیکھ لیا کہ میز پر مہاتما بُدھ کے صرف پانچ بُت رکھے ہیں۔ باقی شاید بِک چُکے تھے۔ عنبر دھڑکتے دل سے دکان میں داخل ہوا اور سیدھا اُس میز کی طرف بڑھا۔ مہاتما بُدھ کے اِن بُتوں

میں وہ بُت نہ تھا جس کے چہرے پر معصومیت اور سکون دکھایا گیا تھا۔ مجسموں والی میز پر بڑے سے گتّے پر لکھا ہوا تھا: مہاتما بُدھ کے مختلف روپ۔ ہر روپ تین سو روپے میں۔

چند لمحوں تک کوئی بھی نہ بول سکا۔ عنبر تھوک نگلتا ہوا بولا۔ ”خالُو جان! باقی مجسّمے بِک گئے؟“

”ہاں، بیٹے۔ کمال ہو گیا۔“ خالُو کریم بولے۔ ”مجسّمے اُمّید سے بھی زیادہ جلدی بِک گئے۔ یہ سمجھ لو کہ جتنے پیسوں میں میں سارے مجسّمے خرید کر لایا تھا اب تک اس سے زیادہ پیسے کما چکا ہوں اور ابھی پانچ مجسّمے باقی ہیں۔“

عنبر نے بے تابی سے خالُو کا فقرہ پورا ہونے کا انتظار کیا اور پھر کہنے لگا۔ ”آپ نے خریدنے والوں کے۔۔۔ نام۔۔۔ اور پتے۔۔۔ تو نہیں لکھے ہوں گے، شاید؟“

”اُفّوہ، بھئی، کون دُکان دار اپنے گاہکوں کے پتے لکھتا ہے!“

”کیا آپ ہمیں اُن لوگوں کے بارے میں تھوڑا بہت بتا سکتے ہیں جنھوں نے یہ مجسّمے خریدے ہیں؟“عنبر نے بولا۔

”بھئی، آخر تم ان کے بارے میں اتنی کُرید کیوں کر رہے ہو؟ اگر تمھیں کوئی مجسّمہ چاہیے تو ابھی پانچ باقی ہیں۔ جو چاہو، لے سکتے ہو۔“

”خالُو جان، یہ بات نہیں۔ آپ کچھ یاد کریں کہ آپ نے وہ مجسّمے کِن کِن لوگوں۔۔۔“

خالُو جان نے اپنے پیارے بھانجے کے کہنے پر دماغ زور ڈالا اور پھر کہنے لگے۔ ”بھئی، ایک خریدار تو لمبا اور گورا سا تھا۔ ایک گاہک ذرا سانولا سا تھا۔ اُسے میں نے عموماً شہر کے شمالی حصّے میں آتے جاتے دیکھا ہے۔ دو مجسّمے ایک عورت نے لیے ہیں۔ وہ ایک سُرخ رنگ کی کار میں آئی تھی۔۔۔“

”ہمیں خاص طور پر اُس مجسّمے کی تلاش ہے جس کے چہرے پر سکون اور معصومیت تھی۔“

”اب بیٹے یہ تو میں نے بالکل غور نہیں کیا کہ کون سا مجسّمہ کس چیز کو ظاہر کرتا ہے۔ میں نے ہر مجسّمہ تین روپے میں بیچ دیا۔“

”اچھا، ٹھیک ہے۔“ عنبر نے اُداس سا مُنہ بنا کر کہا۔ ”اب کیا کیا جا سکتا ہے۔“

خالُو جان سے رُخصت ہو کر وہ اپنے ہیڈ کوارٹر میں چلے گئے تا کہ موجودہ صورتِ حال پر غور کیا جا سکے۔

”اب کیا کیا جائے؟“ نسیم نے سر گھُماتے ہوئے پوچھا۔

”اگر چشمِ نور ہیرا واقعی مہاتما بُدھ کے اس مجسّمے میں تھا تو وہ اس وقت کسی آدمی کی بیٹھک میں کارنس یا میز پر سجا ہوا ہو گا۔“ عاقِب نے بے بسی سے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔“ عنبر نے کہا۔ ”ہم مجسّمے کی واپسی کے لیے کچھ کر سکتے ہیں، لیکن کیسے؟ یہی ہمیں سوچنے ہے۔“

یہ کہہ کر وہ پوری توجّہ سے سوچنے لگا۔ اس کا دایاں ہاتھ اُس کے ہونٹ کی طرف بڑھا اور اُس کو مسلنے لگا۔ عاقِب اور نسیم بھی سوچ رہے تھے۔ اچانک عاقِب چلّایا۔ ”مل گیا! مل گیا!!“

”جلدی بتاؤ، کیا مل گیا ہے؟“ عنبر نے بے تابی سے پوچھا۔

”ہم مہاتما بُدھ کے اس مجسّمے کو بھُوتوں کے ذریعے تلاش کریں گے۔“

”بھوتوں کے ذریعے؟“ نسیم نے جھلّا کر پوچھا۔ ”وہ کیسے؟“

”کیا آپ لوگوں کے قبضے میں کوئی جِن بھوت بھی ہے؟“ گُل نے اس طرح پوچھا کہ تینوں سُراغ رساں ہنس پڑے۔

”نہیں۔ ہمارے قبضے میں کوئی جن بھوت نہیں۔“ عاقِب نے کہا۔ ”میرا مطلب ہے، اپنے ہم عُمر لڑکے لڑکیوں کے ذریعے ہم اس مجسّمے کو تلاش کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔“

”سُراغ رساں نمبر تین، مجھے پوری تجویز بتاؤ۔“ عنبر نے سنجید گی سے کہا۔

”تجویز یہ ہے کہ ہم اپنے ٹیلے فون پر اپنے پانچ دوستوں سے کہیں اور وہ اپنے پانچ پانچ دوستوں سے پوچھیں کہ اُن کے آس پاس کے گھروں میں بُدھ کا کوئی مجسّمہ تو نہیں آیا۔ اس کی رپورٹ ہمیں کل تک مل جائے گی۔“

”ہوں! تمہاری تجویز میں واقعی جان ہے۔ وہ لڑکے واقعی بھوتوں کی طرح کام کریں گے۔ اس طرح ہم اصل مجسّمے کو واپس لا سکتے ہیں۔“

”مگر یہ رپورٹ تو تمہیں کل سے پہلے نہیں مل سکے گی۔“ نسیم نے کہا۔

”گھبرانے کی بات نہیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”جو شخص مجسّمہ لے گیا ہو گا وہ اس میں چشمِ نُور کی موجودگی کے بارے میں کچھ نہ جانتا ہو گا۔ اس لیے ہم اطمینان سے کام کر سکتے ہیں۔“

”ارے لڑکو!“ اچانک خالہ خان کی زور دار آواز گونجی۔ ”آج کھانا نہیں کھاؤ گے؟“

”آتے ہیں، خالہ جان۔“ عنبر نے کہا۔ ”ابھی آتے ہیں۔ اور ہاں، ہمارے

ساتھ ایک اور دوست بھی ہے۔"

"جہاں تم تین شیطان، وہاں چوتھا بھی سہی۔" خالہ جان نے پیار سے کہا۔
"البتّہ فوراً آجاؤ کیوں کہ تمہارے خالُو جان کہیں جانا چاہتے ہیں۔ تم کھانا کھا کر ذرا دُکان کا دھیان رکھنا۔ زیادہ دیر نہیں، بس ایک دو گھنٹے۔"

دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر لڑکے دکان پر چلے گئے۔ ابھی بازار سُنسان تھا، اس لیے گاہک کی اُمّید ذرا کم ہی تھی۔

"تم نے یہ کیسے اندازہ لگایا کہ دادا جان نے چشمِ نُور مجسّمے میں ہی چھپایا ہو گا، اور وہ بھی بُدھ کے معصومیت والے مجسّمے میں۔" گُل نے سوال کیا۔ وہ ابھی تک نہیں سمجھا تھا۔

"تمہارے دادا جان نے لکھا تھا نا کہ بُدھ کے دن تم پیدا ہوئے تھے اور یہی تمہارا نام ہے، اور یہی دن، تمہاری خوش قسمتی کی نشانی ہے۔"

"ہاں۔" گُل نے کہا۔

”بس، تمہاری خوش قسمتی بُدھ کے اندر رہے۔ اب رہی یہ بات کہ چشمِ نُور کے بارے میں کیسے مجھے خیال آیا، تو اس سلسلے میں ایک بات تو یہ ہے کہ تمہارے دادا جان دولت کسی اور طرح نہ چھپا سکتے تھے۔ دوسری بات یہ کہ بعض لوگوں کے خیال میں وہ کنجوس تھے اور واقعی وہ مقروض بھی تھے۔ ایسے میں اگر ہیرے کے علاوہ دولت کسی اور شکل میں اُن کے پاس ہوتی تو وہ کسی نہ کسی وقت خرچ کر سکتے تھے۔“

”تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ ارے! ایک گاہک آ رہا ہے۔“

گاہک اندر آیا تو چاروں لڑکے اُسے دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ اس کے ماتھے پر چاند تارے کا نشان کھُدا ہوا تھا۔ اسی نشان والے آدمی کے بارے میں دادا جان نے وکیل احمد داؤد کو بتایا تھا کہ وہ مصیبت کا سبب بن سکتا ہے۔ لڑکوں کے دماغ میں جھٹ پٹ یہ بات آئی اور ہوشیار ہو گئے۔

”فرمایئے؟“ عنبر نے ادب سے پوچھا۔

”مجھے ان مجسّموں سے دل چسپی ہے۔“ چاند تارے نے کہا۔ ”کیا آپ کے

پاس بُدھ کے کچھ اور مجسّمے بھی ہوں گے۔"

"جی تھے تو سہی لیکن فروخت ہو چکے ہیں۔" عنبر نے جواب دیا۔

چاند تارے کے چہرے پر ناگواری کے آثار پیدا ہوئے، مگر اُس نے اپنے آپ پر قابو پالیا اور بولا۔ "بُدھ کے بعض روپ بہت پیارے ہوتے ہیں اور مجھے انہی کی تلاش ہے۔"

"مثلاً؟" نسیم نے پوچھا۔

"مثلاً ایسے مجسّمے جِن میں بُدھ کو فاقہ زدہ دکھایا۔ ہے، یا اس کے چہرے پر سکون اور معصومیت۔۔۔۔"

عاقِب اور نسیم نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ عنبر نے کہا۔ "آپ ان میں سے کوئی پسند کر لیجیے۔ باقی مجسّمے تو میں نے عرض کیا نا کہ بِک چُکے ہیں۔"

"معصومیت والا مجسّمہ بھی؟" چاند تارا مطلب کی بات آ گیا۔

”جی، وہ کل بِک گیا۔“

”مجھے وہ ڈرائنگ روم میں سجانے کے لیے چاہیے میں اسے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ تم مجھے بتا سکتے ہو وہ مجسّمہ کس نے خریدا تھا؟“

”نہیں جناب۔“ عنبر نے کہا۔ ”ہم اپنے گاہکوں کے پتے نہیں پوچھتے۔“

”اگر تم نے اس کا پتا پوچھ لیا ہوتا تو میں تمھیں ایک ہزار روپے انعام دیتا۔“ چاند تارے نے کہا۔ ”پُورے ایک ہزار۔“

”جناب، آپ اپنا پتا چھوڑ جائیے۔“ عنبر نے کہا۔ ”گاہک بعض اوقات خریدی ہوئی چیز واپس کر جاتے ہیں۔ جو وہ مجسّمہ لے گئے ہیں، اسے کسی وجہ سے واپس لے آئے تو ہم آپ کو اِطّلاع دے دیں گے۔“

”بہت اچھّا۔“ چاند تارے نے جیب سے ایک کارڈ نکالتے ہوئے کہا۔ ”یہ رہا میرا نام اور پتا۔ اگر وہ مجسّمہ واپس آ گیا تو تم مجھے اِطّلاع ضرور دینا۔“

عنبر نے کارڈ جیب میں ڈال لیا اور چاند تارے سے بولا۔ ”ضرور۔“

"یاد رکھنا!" چاند تارے نے زور دے کر کہا۔ "اگر مجھے وہ مجسّمہ مل جائے تو ایک ہزار روپے میں خرید لوں گا۔"

"میں یاد رکھوں گا، جناب۔" عنبر نے کہا۔

اچانک چاند تارا جھکا اور اپنی چھڑی کے نیچے لگی ہوئی لوہے کی باریک نوک میں زمین پر پڑا ہوا ایک کاغذ پرو لیا۔ "میں صفائی پسند کرتا ہوں، سمجھے؟" یہ کہتے ہوئے اس نے چھڑی کے ہینڈل میں لگی ہوئی ایک کمانی دبائی جس سے چھڑی کے نیچے لگی ہوئی نوک کمانی دار چاقو کی طرح آدھا فٹ باہر نکل آئی۔ عنبر نے کاغذ چھڑی کی لمبی نوک پر سے اُتار کر کوڑے کرکٹ کی ٹوکری میں ڈال دیا۔ چاند تارے نے کمانی ہلائی اور چھڑی پھر اصلی حالت پر واپس آ گئی۔

"میں پھر پوچھنے آؤں گا۔" اس نے کہا۔ "اس دوران میں تمہیں وہ مجسّمہ مل جائے تو فوراً مجھے ٹیلے فون کر دینا۔"

چاند تارا یہ کہہ کر مڑا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا دُکان سے نکل گیا۔

مِل گیا!

جب وہ شخص نظروں سے اوجھل ہو گیا تو عنبر اپنے ساتھیوں کی طرف مڑا۔ اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔

"میرا خیال ہے، عنبر۔" نسیم نے کہا۔ "وہ تمہیں دھمکا رہا تھا۔ اس آدمی کو آخر کیسے پتا چلا کہ۔۔۔۔"

"وہ واقعی مجھے دھمکا رہا تھا۔" عنبر نے کہا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو وہ ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہ کرے گا۔"

”میں تو سمجھا کہ وہ تمہیں چھڑی سے مارنے لگا ہے۔“ عاقِب نے کہا۔

”اسی کے بارے میں دادا جان نے ہمیں خبر دار رہنے کو کہا تھا۔“ گُل نے یاد دلایا۔ ”میں تو کہتا ہوں کہ ہمیں ہیرے کی تلاش چھوڑ دینی چاہیے۔“

”نہیں۔“ تینوں سُراغ رسانوں نے ایک ساتھ کہا۔

”ہم یہ کام ہر گز نہیں چھوڑیں گے۔“ عنبر نے کہا۔ ”آخر ہم تمہیں تمہارا حق ہی تو دلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ ہیرا دادا جان نے تمہارے لیے ہی تو رکھا تھا۔“ عاقِب نے کہا۔ ”البتّہ اگر وہ اس کا پتا سیدھے سارے لفظوں میں بتا دیتے تو۔۔۔۔“

”نہیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”تب تو یہ ہیرا کبھی کا چاند تارا لے اُڑا ہوتا۔ ”یہ تو اچھا ہوا کہ انہوں نے گول مول الفاظ کے ذریعے یہ اِطّلاع دی۔ ہاں، ایک بات میری سمجھ میں آتی ہے۔“

”کیا؟“ گُل نے پوچھا۔

”دادا جان کی فائل سے خط کی نقل کہیں چاند تارے نے ہی تو نہیں اُڑائی ہے؟“

”لیکن عنبر، وکیل صاحب نے تو کالی مُونچھوں اور عینک والے آدمی کا ذکر کیا تھا۔“ نسیم نے کہا۔

”مُونچھیں تو خیر جعلی بھی ہو سکتی ہیں اور عینک کوئی بھی لگا سکتا ہے۔“ عاقِب بولا۔

”ہاں، یہ بات تو ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ چاند تارے نے کسی اور آدمی کے ذریعے یہ کام کرایا ہو۔“

”بہرحال، چاند تارا ہے پُراسرار آدمی۔“ گُل نے کہا۔ ”تبھی تو میں نے اُسے مجبور کیا کہ وہ مجھے اپنا پتا بتائے۔“ یہ کہہ کر عنبر نے جیب میں ہاتھ ڈال کر چاند تارے کا دیا ہوا کارڈ نکالا۔ اس میں انگریزی میں اُس کا نام لکھا ہوا تھا: ”راما کرشنا تیواڑی“ اور نیچے لکھا تھا: ۱۵ ”کوچین مینشن سنگاپور۔“ اس کے نیچے شہر کے ایک ہوٹل کا پتا پنسل سے لکھا ہوا تھا جہاں وہ سنگاپور

سے آکر ٹھہرا تھا۔

"اب تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہی آدمی آج سے دس گیارہ سال پہلے میرے والد صاحب سے چشمِ نُور کا پتا پوچھ رہا تھا۔" گُل نے کہا۔

"عاقِب، تم پبلک لائبریری جاؤ اور ہیروں سے متعلّق کسی کتاب میں چشمِ نُور ہیرے کا تذکرہ پڑھو۔ ساتھ ہی سنگاپُور شہر کے بارے میں کسی اچھّے انسائیکلوپیڈیا سے معلومات حاصل کرو۔ خاص طور پر وہاں رہنے والے ہندوؤں اور اُن کے مندروں کا ذکر پڑھو۔ شام تک اس کام سے فارغ ہو کر واپس آجاؤ۔"

"میں شام کے ذرا بعد آؤں گا۔" عاقِب نے کہا۔ "لائبریری سے فارغ ہو کر گھر جاؤں گا اور کھانا کھا کر واپس آجاؤں گا۔ ٹیلے فون والا منصوبہ میرے آنے کے بعد ہی پورا کرنا۔"

"ٹھیک ہے۔" عنبر نے کہا۔ "میں پھر کہتا ہوں۔" گُل نے عاقِب کے جانے کے بعد کہا۔ "تم لوگ میری خاطر اپنی جان خطرے میں نہ ڈالو۔

مجھے تو یہ سب کچھ بہت ہی خطرناک لگتا ہے۔ وکیل پر حملہ، چاند تارے کا سنگاپور سے یہاں آنا اور عنبر کو اس طرح دھمکانا۔ میں سچ کہتا ہوں عنبر، مجھے واپس سنگاپور جانے دو۔ میں داداجان کے اس ہیرے کے بارے میں سب کچھ بھول جاؤں گا۔" پھر اُس نے بھول پن سے کہا۔ "تم اس ہیرے کے لیے مُونچھوں والے آدمی اور چاند تارے کو لڑنے دو۔"

"عنبر، تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟" نسیم نے کہا۔

"میرا خیال؟" عنبر نے کہا۔ "تم جانتے ہو کہ خُدا کے فضل و کرم سے میں جس چیز کو ایک بار ہاتھ میں لے لیتا ہوں اسے پورا کر کے ہی چھوڑتا ہوں۔ اب کہ ہمیں ایک پُراسرار چیز کا کھوج لگانے کا کام ملا ہے تو ہم اِسے نہیں چھوڑیں گے۔ اور کچھ باتیں تو میں اس بارے میں سوچ بھی چُکا ہوں۔"

"سچ۔" نسیم نے کہا۔

"میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وکیل احمد داؤد نے الماری میں خود ہی اپنے آپ کو بند کیا تھا۔"

”انہیں اس بات کی کیا ضرورت پیش آئی؟“ گُل نے تعجّب سے کہا۔

”یہ میں ابھی تک نہیں معلوم کر سکا۔“ عنبر نے کہا۔ ”مگر جب ہم وہاں گئے تو میز پر چیزیں اتھل پتھل پڑی تھیں۔ وکیل صاحب الماری میں بند تھے اور اُن کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے!“ عنبر نے کہا۔

”یہ سب کچھ اُنہوں نے خود ہی کیا ہو گا۔“ عنبر نے کہا۔ ”ذرا تم اپنی کرسی کو چھوؤ اور پھر اس میز کو۔“

”کرسی گرم ہے اور میز ٹھنڈی۔“ نسیم نے کہا۔

”وکیل صاحب نے کہا تھا کہ یہ واقعہ نو بج کر سترہ منٹ پر پیش آیا تھا۔“

”ہاں۔“ گُل نے کہا۔ ”ہمارے پہنچنے سے دو گھنٹے پہلے!“

”لیکن جب میں نے اُن کی گری ہوئی کُرسی سیدھی کی تو وہ گرم تھی۔ یعنی وکیل صاحب اس پر ہمارے اندر آنے سے کچھ دیر پہلے بیٹھے رہے تھے۔“ عنبر نے کہا۔

”آخر وکیل صاحب نے یہ حرکت کس لیے کی؟“نسیم نے کہا۔

”انہوں نے یقیناً یہ دکھانے کے لیے یہ حرکت کی کہ خط کی نقل چوری کر لی گئی ہے۔“

”تمہارا مطلب ہے کہ عینک والا اور کالی مُونچھوں والا آدمی کوئی حقیقت نہیں رکھتا؟“

”ہاں، میرا یہی خیال ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے چاند تارے نے وکیل احمد داؤد کو کچھ رقم دے کر خط کی نقل حاصل کر لی ہو اور ہماری طرح اس نے بھی یہ پیغام سمجھ لیا ہو کہ چشمِ نُور کہاں پوشیدہ ہے۔“

اسی لمحے دُکان میں ٹیلے فون کی گھنٹی بجی۔ ”ہیلو! کریم انٹر پرائز۔“عنبر نے کہا۔ ”فرمایئے؟“

”میں بیگم انور بول رہی ہوں۔ کل میں نے آپ کی دُکان سے مہاتما بُدھ کے دو مجسّمے خریدے تھے، جو میں اپنے باغیچے میں فوّارے کے قریب لگانا

چاہتی تھی۔"

"جی، جی۔" عنبر نے کہا۔

"لیکن میرے شوہر کو یہ پسند نہیں آئے۔ انہیں باغ کو سجانے کا یہ منصوبہ اچھا نہیں لگا۔ انہوں نے اس کام کے لیے ایک اور تجویز سوچی ہے جو۔۔۔"

"جی جی، فرمایئے؟" عنبر نے جلدی سے پوچھا۔

"میں وہ دونوں مجسّمے واپس لا رہی ہوں۔"

"بہت بہتر۔ ہم آپ کو پیسے واپس دے دیں گے۔" عنبر نے کہا۔ "ایک بات بتا دیجیے۔ آپ کے پاس جو مجسّمے ہیں اُن میں مہاتما بُدھ کیسے نظر آ رہے ہیں؟"

"ایک میں تو بُدھ شہزادے کے روپ میں ہے۔ دوسرا۔۔۔ وہ۔۔۔ میرا خیال ہے کہ دُوسرا۔۔۔ بھول پن۔۔۔ یا سادگی۔۔۔ یا۔۔۔"

"معصومیت کے روپ میں؟"عنبر نے لُقمہ دیا۔

"بالکل۔میں یہی کہنا چاہتی تھی۔میں ابھی لے کر آرہی ہوں۔"

"ضرور تشریف لائیں۔ ہم آپ کے مُنتظر ہیں۔" عنبر نے کہا۔ "خدا حافظ۔۔۔ ارے رے رے! ایک لمحہ ٹھہریے! ہم آپ کی خدمت میں خود حاضر ہو جائیں گے۔ آپ تکلیف نہ کیجیے۔ آپ ہمیں اپنا پتا لکھوا دیجیے۔" عنبر کو اچانک ترکیب سوجھی تھی۔ ہو سکتا تھا بیگم انور کی،ٹیلے فون کرنے کے بعد،نیّت بدل جاتی۔

"بہت بہت شکریہ۔ تم تو بڑے ہی خوش اخلاق لڑکے ہو۔کیا تم اس دکان کے نئے سیلز مین ہو؟"

"جی نہیں۔ میں کریم صاحب کا بھانجا ہوں۔" عنبر نے کہا۔ "آپ پتا لکھوائیے۔"

پتا لکھنے کے فوراً بعد اس نے ٹیلے فون رکھا اور کہنے لگا۔ "گُل! گُل! ہمیں

اصل مجسّمہ مل گیا ہے اور ہم لینے جا رہے ہیں۔"

"کب؟"

"خالُو جان کے لوٹتے ہی۔" عنبر نے جواب دیا۔ "وہ آ گئے!" دور سے خالُو جان کو آتے دیکھ کر اُس خوشی سے نعرہ لگایا۔

کالی مُونچھ کی کام یابی

عاقِب کو اس بات کا کچھ پتا نہ تھا۔ وہ تو اس وقت پبلک لائبریری میں بیٹھا ایک کتاب ”مشہور ہیرے اور اُن کی داستانیں“ پڑھ رہا تھا۔ وہ کاغذ اور قلم بھی لے آیا تھا تاکہ کوئی ضروری بات ہو تو اُسے نوٹ بھی کر سکے۔ اس نے یہ کتاب اس لیے پسند کی تھی کہ اس کی فہرست مضامین میں نمبر سات پر ایک خونی ہیرے کی داستان تھی۔ کتاب کی فہرست میں اُسے چشمِ نُور کا نام نظر نہ آیا تھا اور وہ یوں ہی خونی ہیرے کی داستان پڑھنے لگا تھا۔ اچانک اُس کی نظر اُس داستان کے اس صفحے پر جم گئی، جہاں لکھا تھا:

”یہ ہیرا بڑا منحوس خیال کیا جاتا ہے۔ اس کی شکل آنکھ جیسی ہے، وہ اس لیے کہ اسے سنگاپور کے ایک مندر کی مورتی کی آنکھ میں پُتلی کی جگہ لگایا گیا تھا۔ یہ وہاں سے چُرا لیا گیا۔ اس کے بعد سے اس کے بارے میں کوئی پتا نہ چل سکا۔ مندر کی مورتی بھی اس کے بعد سے کانی پڑی ہے۔ اس ہیرے کے بارے یہ بات مشہور ہے کہ اس کا مالک کسی نہ کسی حملے میں مر جاتا ہے یا پُراسرار بیماری کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ روایت ہے کہ اگر یہ ہیرا پچاس سال تک کسی جگہ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ پڑا رہے تو اس کی نحوست ختم ہو جائے گی اور یہ اپنے مالک کے لیے بُرا ثابت نہ ہو گا۔ مندر کے پروہت کا کہنا ہے کہ اس ہیرے کو چُرانے یا کسی سے چھننے والا کسی خوف ناک مرض میں مبتلا ہو کر مر جائے گا۔ لیکن اگر اسے تحفے میں دیا جائے یا دے کر خریدا جائے تو اُس کی نحوست باقی نہ رہے گی۔

عاقِب دھڑکتے دل کے ساتھ پوری داستان پڑھ گیا لیکن کہیں بھی اُس ہیرے کا نام نظر نہ آیا۔ اس نے ضروری باتیں کاغذ پر نوٹ کر لیں۔ اس کا

خیال تھا کہ یہ چشمِ نُور ہی یہاں بیان کیا گیا ہے۔ کیوں کہ چشمِ نُور کا مطلب ہے، روشنی والی آنکھ۔ اگر یہ وہی ہیرا ہے تو یہ آنکھ کی شکل کا ہو گا۔ تبھی اس کا نام آنکھ پر رکھا گیا ہے۔ کتاب میں اُس کا نام نہ ہونے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کتاب اس ہیرے کا نام رکھنے سے پہلے کی چھپی ہو۔ اب اسے سنگاپور کے مندروں کے بارے میں کتاب پڑھنے کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی، اس لیے وہ گھر کی طرف چل دیا۔

شام کے کھانے پر وہ اپنے ابّو سے مہاتما بُدھ کے مجسّمے کے بارے میں پوچھنے لگا۔ ابّو نے اُسے کئی دل چسپ باتیں بتائیں، جن میں سے اُس کے کام کی کوئی بات نہ تھی۔ پھر انہوں نے بتایا کہ بُدھ کے بہت سے روپ ہوتے ہیں۔ ایک بُدھا ستیوا بھی ہوتا ہے۔ عاقِب کو یاد آیا کہ بُدھ ایک مورتی کے نیچے بُدھا ستیوا لکھا ہوا تھا۔

”ہو سکتا ہے یہ سب سے اہم ہو۔“ عاقِب کے ذہن میں نہ جانے کیوں یہ بات چپک گئی۔ اسی وقت اُسے خیال آیا کہ یہ بات عنبر کو بتانی چاہیے۔ وہ

کھانا کھانے اُٹھا اور عنبر کی طرف چل پڑا۔ کریم انٹرپرائز میں اُس وقت عنبر، نسیم اور گُل کے بجائے خالُو کریم کھڑے تھے۔

"وہ لوگ تو ایک گھنٹہ پہلے کہیں چلے گئے۔" خالُو جان نے بتایا۔

"کہاں؟"

"میں نے یہ بات تم سے بہت دفعہ کہی ہے، مگر تم بتا کر ہی نہیں جاتے۔ بہر حال، وہ ایک جگہ گئے ہیں۔ انہوں نے یہی کہا تھا کہ وہ ایک جگہ مہاتما بُدھ کے دو مجسّمے لینے گئے ہیں جو ایک خاتون واپس کر رہی ہے۔" انہوں نے بُرا سا مُنہ بنا کر کہا۔ کوئی بھی دکان دار بیچی ہوئی چیز واپس لینا پسند نہیں کرتا۔

عاقِب کے مجسّموں والی میز کے قریب جا کر بُدھا ستیوا کا مجسّمہ دیکھنا شروع کیا۔ پھر جیب سے رومال نکالا اور مجسّمے کو صاف کرنے لگا۔ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس مجسّمے میں کوئی ایسا سوراخ تو نہیں جہاں کوئی چیز اُس میں رکھی گئی ہو۔

اُس کی توجّہ مجسّمے پر تھی۔ اسے پتا ہی نہ چلا ایک کالی مُونچھوں اور سفید

شیشوں کی عینک والا شخص دکان میں داخل ہوا۔ وہ خالُو کریم سے کہہ رہا تھا
"مہاتمابُدھ کے یہ مجسّمے تو بڑے اچھّے ہیں۔ میں انہیں خریدنا چاہتا ہوں۔"
اس نے جیب سے سو سو روپے کے کئی نوٹ نکالے۔ "کیا آپ کے پاس
بُدھ کے اور بھی مجسّمے ہیں؟"

عاقِب اس شخص کو دیکھنا کا دیکھتا رہ گیا۔ یہ وہی شخص تھا جس کا حلیہ وکیل
صاحب نے انہیں بتایا تھا۔ وہ سارے مجسّموں کا سودا کر رہا تھا اور عاقِب
کے دماغ میں کو یہ ایسی ترکیب نہ آرہی تھی جس سے یہ سودا منسوخ کیا جا
سکتا۔ "ہاں، دو اور مجسّمے چند منٹوں میں واپس آنے والے ہیں۔" خالُو کریم
نے اُسے بتایا۔

"آپ ان کے پیسے بھی کاٹ لیجیے۔" کالی مُونچھ اور عینک والے شخص نے
کہا۔ "انہیں تو میں ابھی اپنی کار رکھتے لیتا ہوں۔" اس نے ایک ایک کر کے
یہ مجسّمے کار میں رکھ لیے اور باقی مجسّموں کے انتظار میں کاؤنٹر پر کھڑا ہا گیا۔

عاقِب بار بار سر کھُجا رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ رہا تھا کہ وہ کیا کرے اور

بُدھاستیوا کے مجسّمے کو کس طرح کالی مُونچھ سے بچائے، ساتھ ہی اُسے اس بات کا بھی فکر تھا کہ عنبر وہ مجسّمے لے آیا تو یہ انہیں لے جائے گا۔ اس نے مجسّمے کے پاس سے ہٹنے سے پہلے دیکھ لیا تھا کہ بُدھاستیوا کے سر میں اس طرح کا نشان ہے جیسے وہاں کچھ کیا گیا ہو۔ نہ جانے اسے کیوں یہ یقین سا ہو چلا تھا کہ چشمِ نُور اُسی میں ہو گا۔

اسی اثنا میں عنبر، نسیم اور گُل واپس آ گئے۔ عنبر کے ہاتھوں میں معصومیت والا مجسّمہ تھا اور نسیم ایک دوسرا مجسّمہ اُٹھائے ہوئے تھا۔ وہ دُکان میں آتے ہی کالی مُونچھ کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

نسیم نے عنبر سے کہا۔ ”تم تو کہتے تھے کہ۔۔۔۔“ مگر نسیم کا فقرہ ادھورا رہ گیا۔ اسی لمحے کریم صاحب نے عنبر سے کہا۔ ”عنبر بیٹے، یہ مجسّمے اِن صاحب کو دے دو۔ انہوں نے خرید لیے ہیں۔“

”م۔۔۔م۔۔۔ مگر۔۔۔“ عنبر ہکلایا۔ ”خالُو جان!“

کالی مُونچھ والا آدمی آگے بڑھا اور عنبر سے مجسّمہ لینا چاہا، عنبر نے گرفت

ڈھیلی نہ کی تو خالُو جان نے کہا۔ بیٹے، یہ مجسّمے انہیں دے دو۔ یہ اسے خرید چکے ہیں۔"

"خالُو جان! یہ مجسّمہ گُل کے لیے بڑا اہم ہے۔ دراصل گُل کے مرحوم دادا جان نے اس کے لیے۔۔۔۔"

کالی مُونچھوں والے نے عنبر کے ہاتھ سے مجسّمہ چھین لیا۔ لیکن عنبر آسانی سے ہار ماننے والا نہ تھا۔ وہ کالی مُونچھوں والے کی طرف بڑھا اور اُس سے مجسّمہ لینے کی کوشش کرنے لگا۔ اسی کھینچا تانی میں مجسّمہ فرش ہر گر پڑا اور گِرتے ہی ریزہ ریزہ ہو گیا۔ وہ کسی مسالے بنا ہوا تھا۔ پتھر کا نہیں تھا۔ اس پر پتھر جیسا رنگ گیا تھا۔ سب لوگ آنکھیں پھاڑے سُرخ رنگ کی اس چیز رہے تھے جو مجسّمے کے ٹکڑوں کے درمیان پڑی چمک رہی تھی۔

"چشمِ نُور واقعی بُدھ کے معصومیت والے مجسّمے میں پوشیدہ تھا۔" عاقِب نے سوچا۔ "مگر پھر بُدھاستیوا کے مجسّمے میں کیا ہے؟"

لیکن یہ وقت سوچنے کا نہیں، عمل کا تھا اور کالی مُونچھوں والا عمل میں اُن

سے تیز نکلا۔ اس نے بجلی کی سی پھُرتی سے ہیرا اٹھایا، باہر نکل کر کار میں بیٹھا اور کار اسٹارٹ کر کے چلتا بنا۔

مجسّمے کے ٹکڑے زمین پر پڑے ننھے سُراغ رسانوں کا مُنہ چڑا رہے تھے۔

"اس کا یہ مطلب ہوا کہ کالی مُونچھ کا سچ مچ کوئی وجود ہے۔" نسیم نے کہا۔

"ہاں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے دھوکا کھایا۔ میں سمجھا، وکیل صاحب نے مُونچھ کا افسانہ گھڑا ہے۔" عنبر اُداسی سے بولا۔ "واقعات اتنی تیزی سے رونما ہوئے کہ میں بھونچکا رہ گیا۔

"مگر اس میں تمہاری کوئی خطا نہیں۔" گُل نے کہا۔ "تم نے تو میرے لیے اپنی جان تک کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔"

اب دُکان بند ہونے کا وقت ہو چکا تھا۔ مگر لڑکے کچھ دیر اور وہاں ٹھہرنا چاہتے تھے، اس لیے خالُو اندر چلے گئے اور انہیں کہہ گئے "اگر کوئی گاہک آئے تو دیکھ لینا، اور پھر دُکان بند کر کے اندر آ جانا۔"

خالُو کے جانے ہی عاقِب نے خونی ہیرے کے متعلق تمام تفصیل سب کو بتائی۔

"اوہ میرے خدا!" نسیم چلّایا۔ "اگر چشمِ نُور اتنا ہی منحوس ہیرا ہے تو اسے کالی مُونچھ ہی کے پاس رہنے دو۔"

اوّل تو ہم کسی چیز کی نحوست پر یقین نہیں رکھتے۔" عنبر نے کہا۔ "اور دوسرے دادا جان نے یہ بھی تو لکھا ہے کہ پچاس سال گُزر چکے ہیں، اس لیے اب اس نے اپنے آپ کو پاک صاف کر لیا ہے۔ اب یہ خونی نہیں رہا۔ اور کتاب میں بھی یہی لکھا ہے کہ پچاس سال بعد۔۔۔۔۔"

"ہاں، وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر میں کہتا ہوں عنبر، کہ اس سارے قصّے کو اب چھوڑو۔ میں تو واپس سنگاپُور جانا چاہتا ہوں، اپنے والد صاحب کے پاس۔"

"اتنے ڈرپوک نہ بنو۔" عنبر نے کہا۔ "تم اپنا حق حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہو، خیرات نہیں مانگ رہے ہو۔"

”اب میں سمجھ گیا۔“ گُل نے کہا۔ ”اور یہ بھی سمجھ گیا کہ دادا جان نے وہ ہیرا کیوں چھپایا۔ وہ اسے پچاس سال تک رکھ کر بے ضرر بنانا چاہتے تھے۔ لیکن جب پچاس سال پورے ہوگئے تو مرنے سے پہلے ہیرے کے بارے میں مجھے اِطّلاع دے گئے۔“

”اب سوال یہ ہے کہ چشمِ نُور واپس کیسے لایا جائے؟“ عنبر نے کہا۔

”ایک سوال اور بھی ہے۔“ عاقِب بولا۔

”کیا؟“

”یہ کہ چشمِ نُور تو بُدھ کے مجسّمے میں سے مل چکا ہے۔ بُدھا ستیوا کے مجسّمے میں کیا تھا؟“

”اب ہم یہ مجسّمہ بھی اُس سے نہیں لے سکتے۔ اس لیے ہم بھُوتوں والی ترکیب پر عمل کریں گے۔“

”ہاں۔ اس طرح ہمیں پتا چل جائے گا کہ کالی مُونچھ کہاں رہتا ہے یا رہتی

ہے۔" عنبر نے کہا۔ "ورنہ جیسا میں نے خدشہ ظاہر کیا تھا مُونچھ اور عینک تو کوئی بھی لگا سکتا ہے۔ اس حیلے سے ہم اُسے شناخت نہ کر سکیں گے۔"

اچانک دُور سے اُنہیں ایک گاہک دکان کی طرف آتا نظر آیا۔ جب وہ شخص نزدیک آیا تو لڑکے گھبرا گئے۔ یہ چاند تارا تھا، راما کرشنا تیواری۔

"کاش یہ یہاں نہ آتا۔" نسیم نے کہا۔

مگر عنبر نے خوش اخلاقی سے کہا۔ "تشریف لایئے، جناب۔"

چاند تارے نے اپنی چھڑی سے مجسّمے کے ٹوٹے ہوئے ٹکروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے تو تُم سے کہا تھا کہ یہ مجسّمہ ملتے ہی مجھے اِطّلاع دینا۔"

"ہم آپ کو اِطّلاع دینے لگے تھے، جناب۔" عنبر نے کہا۔ "لیکن اس سے پہلے ہی یہ مجسّمہ ٹوٹ گیا؟"

"کیا کیسے؟" چاند تارے نے پوچھا۔ "اور یہاں سے کیا چیز نکالی گئی ہے؟"

اُس نے مجسّمے کے پاس سے دو ٹکڑے اُٹھاتے ہوئے کہا۔

”دراصل جناب، ایک گاہک نے اُسے گرادیا تھا جس سے ٹوٹ گیا۔“ نسیم نے آگے بڑھ کر کہا۔

”اس میں سے کیا چیز نکالی گئی ہے، یہ ہم نہ دیکھ سکے کیوں کہ ہمارا دھیان دوسرے گاہک کی طرف تھا۔“ عاقِب نے کہا۔ وہ چاہتا تھا کہ چاند تارا جلد از جلد یہاں سے چلا جائے۔

”وہ گاہک کیسا تھا؟“ چاند تارے نے مُسکراتے ہوئے پوچھا۔ اس کی مُسکراہٹ بھی ظالمانہ تھی۔ پھر اس نے خود ہی جھٹ سے کہا۔ ”ٹھہرو! کیا یہ آدمی کالی مُونچھوں والا تھا اور اس نے عینک لگارکھی تھی؟“

عنبر نے ہاں میں سر ہلا دیا۔

”اور جو چیز اس آدمی نے زمین پر سے اُٹھائی۔“

چاند تارے نے جیب سے ایک چیز نکال کر کاؤنٹر پر ڈالتے ہوئے کہا۔ ”وہ

ایسی تھی؟"

"جج۔۔۔ جج۔۔۔جی۔" عنبر نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ ایسی ہی چیز تھی۔"

"تمہارا خیال درست ہے۔" چاند تارے نے کہا۔ "اس نے یہی چیز اُٹھائی تھی۔"

چشمِ نُور اس وقت کاؤنٹر پر پڑا تھا، لیکن سراغ رساں اُسے حاصل نہ کر سکتے تھے کیوں کہ چاند تارا بڑا ظالم تھا۔

"ہوں! تم نے چشمِ نُور کے بارے میں سُنا ہو گا۔ اور اس بارے میں بھی کہ یہ جس کے پاس گیا، وہ مُصیبت میں مبتلا ہو گیا؟"

لڑکے خاموش کھڑے اُس کی باتیں سُن رہے تھے۔ اُن کے دل زور زور سے دھڑک رہے تھے۔ نہ جانے کالی مُونچھ کا کیا انجام ہوا تھا؟ ابھی اس کو یہ ہیرا حاصل کیے مُشکل آدھا گھنٹا ہوا ہو گا۔

”میں تم لوگوں کو ایک چیز دکھانا چاہتا ہوں۔“ چاند تارے نے اپنی چھڑی اُوپر اٹھائی اور دستے کی کمانی دبائی تو اس میں سے چھ انچ لمبا پھل باہر نکل آیا۔ اس پر سُرخ رنگ کی کوئی چیز لگی ہوئی تھی۔ ”اوہو! میں اسے صاف کرنا تو بھُول ہی گیا۔“ یہ کہہ کر اُس نے جیب سے رومال نکالا اور سُرخ شے کو صاف کرتے ہوئے بولا۔ ”خون دھار کو خراب کر دیتا ہے۔“

لڑکے سہم کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ لگتا تھا کہ چاند تارے نے کالی مُونچھ کو قتل کر کے اس سے ہیرا چھین لیا ہے۔

”مگر افسوس یہ ہے کہ مجھے اس بے وقوف مُونچھوں والے کو خواہ مخواہ ٹھکانے لگانا پڑا۔“ چاند تارے نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

”یہ ہیرا نقلی نکلا۔“

”نقلی!“ لڑکے حیرت سے ایک دم چلّائے۔

”ہاں، نقلی۔“ چاند تارے نے لہجے میں سختی پیدا کرتے ہوئے کہا اور اصلی

ہیرا ابھی مجھے تلاش کرنا ہے۔ خیال ہے کہ اصلی یا کسی اور مجسّمے میں ہے۔
اب تم اسے تلاش کرو گے۔"

وہ رُکا، باری باری چاروں لڑکوں کو گھور کر دیکھا اور پھر بولا۔ "اگر تم نے
ہیرا تلاش کر کے مجھے نہ دیا تو۔۔۔۔ تو۔۔۔ میرا خیال ہے تم کافی سمجھ
دار ہو اور 'تو' کی نوبت نہیں آئے گی۔"

وہ ایک لمحے کے لیے کا رُکا اور پھر بولا۔ "جوں ہی ہیرے والا مجسّمہ تمہیں
مل جائے فوراً مجھے ٹیلی فون کر دینا۔" یہ کہہ کر وہ چھلاوے کی طرح غائب
ہو گیا۔

"مُعاملہ پُراسرار ہوتا جا رہا ہے۔" عنبر نے کہا۔ "آخر دادا جان نے نقلی
ہیرا اس مجسّمے میں کیوں چھپایا تھا؟"

"ہو سکتا ہے وہ اس نقلی ہیرے کو ہی اصل ہیرا سمجھتے ہوں۔" نسیم نے کہا۔

"نہیں۔ میرا خیال ہے اُنہوں نے اصلی ہیرا بُدھا ستیوا کے مجسّمے میں چھپایا

تھا۔ اور وہ مجسّمہ اب نہ جانے کہاں ہو گا؟"

بھُوتوں کے ٹیلے فون

"اب بھُوتوں سے مدد لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ ہم اپنے پانچ پانچ دوستوں کو ٹیلے فون کرتے ہیں۔ عاقِب نے کہا۔

"ہاں، ظاہر ہے کہ کالی مُونچھ شہر میں ہی رہتا ہو گا۔ تبھی تو بے چارہ آدھ گھنٹے کے اندر اندر۔۔۔" نسیم نے فقرہ پورا نہ کیا کیوں کہ اُسے جھرجھری آ گئی تھی۔

"ہاں، ہم اسی ترکیب پر عمل کریں گے۔" عنبر نے کہا۔ "کالی مُونچھ کا وہ

مجسّمہ شہر ہی میں کہیں نہ کہیں پہنچے گا، اور اگر ہمیں معلوم ہو گیا کہ وہ کہاں ہے تو ہم نئے سرے سے کوشش کر سکتے ہیں۔ بہر حال ابھی ہیرا کسی کو نہیں ملا۔"

عنبر، نسیم اور عاقِب نے اپنے پانچ پانچ ٹیلے فون والے دوستوں کو فون کر دیا کہ اپنے آس پاس کسی ایسے نئے مجسّمے پر نظر رکھیں جس پر بُدھاستیوا لکھا ہو۔ ان دوستوں نے اپنے دوستوں کو بتایا اور انھوں نے اپنے دوستوں کو۔

عاقِب اور نسیم اپنے گھر چلے گئے اور گُل کو عنبر نے اپنے گھر ٹھہرا لیا۔ اس بارے میں اس نے چچا افضل کو لیاقت پور فون کر دیا تھا۔

عاقِب رات بھر طرح طرح کے خواب دیکھتا رہا۔ عجیب عجیب جگہوں کے، مندروں کے، ہیروں کے، لڑائی بھڑائی کے۔ جب وہ سو کر اُٹھا تو صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔ وہ عنبر کے گھر جانا چاہتا تھا لیکن امّی نے ناشتے پر مجبور کیا۔ ناشتا کرتے ہی وہ سائیکل اُٹھا کر سیدھا کریم انٹر پرائِز کی طرف چل دیا۔

ابھی دُکان کھلی نہ تھی۔ خالُو جان دُکان کے پیچھے، گھر میں بیٹھے خالہ جان سے باتیں کر رہے تھے اور چائے بھی پی رہے تھے۔ لیکن عنبر، گُل اور نسیم وہاں نہ تھے۔

"آؤ عاقِب۔" خالہ نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "عنبر، نسیم اور گُل اب سے آدھ گھنٹا پہلے سائیکلوں پر کہیں گئے ہیں۔ عنبر تمہارے لیے اپنے ہیڈ کوارٹر میں ایک پیغام چھوڑ گیا ہے۔" عاقِب سیدھا ہیڈ کوارٹر میں پہنچا۔ وہاں میز پر ایک کاغذ رکھا تھا۔ اس نے پڑھنا شروع کیا:

"عاقِب، گھنٹی کا خیال رکھو، ہم اسکاؤٹنگ کر رہے ہیں ایک خاص مہم پر۔ سُراغ رساں نمبر ایک۔"

عاقِب پہلی بات تو سمجھ گیا، لیکن دوسری بات اس کے پلّے نہ پڑی۔ گھنٹی کا خیال رکھو، کا مطلب تو یہ تھا کہ ٹیلی فون کے پاس موجود رہو اور بھُوتوں یعنی دوستوں کی طرف سے مجسّمے کے بارے میں جو جواب آئیں وہ سُنتے رہو۔

مگر دوسری بات کہ وہ ایک خاص مہم پر اسکاؤٹنگ کر رہے ہیں، اُس کی سمجھ میں نہ آئی۔ اسکاؤٹنگ کا مطلب تو یہ ہو سکتا تھا کہ وہ سائیکل پر گئے ہیں۔ کچھ پیدل بھی چلیں گے۔ مگر مہم؟ یہ اُس کی سمجھ میں نہ آیا۔ جہاں تک اُسے یاد تھا، رات کو جُدا ہوتے وقت اِس قسم کی کوئی بات طے نہ ہوئی تھی۔

"ٹرن ٹرن۔۔۔۔ ٹرن ٹرن۔" ٹیلے فون کی گھنٹی بجی۔ عاقِب نے لپک کر فون سُنا۔ "ہیلو!"

"میں شاہدہ بول رہی ہوں۔" ایک ننھی بچی کی آواز آئی۔ "ہمارے پڑوسی مہاتمابُدھ کا ایک بُت کل ہی کہیں سے لائے ہیں۔"

"کتنا بڑا بُت ہے؟" عاقِب نے پوچھا۔

"اتنا بڑا۔۔۔۔۔" بچی نے چونگا رکھ کر ہاتھ پھیلا کر دکھایا ہو گا۔ تبھی تو ٹیلے فون بند ہو گیا۔

چند لمحوں بعد ٹیلے فون کی گھنٹی بجی۔ بے بی شاہدہ فون کر رہی تھی۔ ”یہ فون والے بیچ ہی میں بند کر دیتے ہیں۔“ اس نے کہا۔ ”ابھی تو میری بات بھی پوری نہیں ہوئی تھی۔“

عاقِب نے ہنسی روکتے ہوئے کہا۔ ”بے بی، اس مُورتی یا بُت کے ہاتھ پاؤں بھی ہیں یا سر ہی سر ہے؟“

”اے لو!“ بے بی نے حیرت سے کہا۔ ”بھلا بُت بھی بغیر ہاتھ پاؤں کے ہوتے ہیں۔ اس کے ہاتھ بھی ہیں اور پاؤں بھی۔“

”اچھا بے بی، تمہارا بہت بہت شکریہ۔“ عاقِب نے فون بند کر دیا۔ یہ مجسّمہ، ظاہر ہے کوئی اور تھا اور اس کا اُن کی مہم سے کوئی تعلّق نہ تھا۔

عاقِب پر سوچنے لگا کہ آخر عنبر، نسیم اور گُل کہاں جا سکتے ہیں؟ اتنے میں ٹیلے فون کی گھنٹی پھر بجی۔

وہ ٹیلے فون سُنتا رہا۔ سُنتا رہا۔ ابھی تک وہ ٹیلے فون نہ آیا تھا جس کا اُسے انتظار

تھا۔

اتنے میں خالہ کی آواز آئی۔ "عاقِب! دوپہر ہو گئی ہے۔ عنبر نسیم اور گُل کا تو ابھی تک پتا نہیں۔ تم آ کے کھانا کھالو۔ نہیں تو ٹھنڈا ہو جائے گا۔"

"آیا، خالہ جان۔" عاقِب اُٹھنے ہی لگا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی اور ایک لڑکے کی آواز آئی۔ "میں بابُو محلّے سے ابرار بول رہا ہوں۔ میری امّی کی ایک بہن۔۔۔ میری خالہ۔۔۔ کل ہی کہیں سے ایک مجسّمہ لائی ہیں، جس کے نیچے لکھا ہوا ہے بُدھاستیوا۔"

عنبر، نسیم اور گُل صبح ہی صبح سائیکلوں پر باہر نکل گئے تھے۔ اُن کا پروگرام تھا کہ خوش حال پُور کے پاس پہاڑی کے دامن میں، دادا اکرم خاں کا مکان دیکھا جائے۔ ہو سکتا ہے وہاں سے انہیں کوئی سُراغ مل جائے۔ یہ محض ایک مکان ہی تھا۔ پھر بھی عنبر نے اِس بات کو ضروری سمجھا کہ ایک بار مکان ضرور دیکھ لیا جائے۔

یہ مکان تین منزلہ تھا۔ تین طرف سے کھلا اور ایک طرف پہاڑی۔ مکان پہاڑی کے دامن میں اس طرح رکھا ہوا تھا جیسے کسی بچّے کی جھولی میں کوئی ڈبّہ۔ عجیب بات یہ تھی کہ مکان کا تالا کھُلا ہوا تھا، اگرچہ دروازے کے کواڑ بند تھے۔

"یہ تو پہلے ہی کھُلا ہوا ہے!" نسیم نے حیرت سے کہا۔ "وکیل صاحب شاید اسے بند کرنا بھول گئے۔"

"عجیب بات ہے!" عنبر نے کہا۔ "انہوں نے چابی دیتے وقت تاکید کی تھی کہ چابی آج ہی انہیں واپس کر دُوں؟"

بہر حال، اس بات کو یہیں چھوڑ کر تینوں اندر داخل گئے۔ انہوں نے صحن میں سائیکلیں کھڑی کیں اور آگے بڑھے۔ مکان خالی پڑا تھا۔ نہ کوئی فرنیچر تھا، نہ کچھ اور۔ کُل سارا سامان نیلام کر دیا گیا تھا۔ برآمدے کے بعد ایک ڈیوڑھی سی تھی جس کے دونوں طرف بڑے بڑے کمرے تھے۔

عنبر پہلے دائیں طرف کے کمرے میں داخل ہوا۔ یہ شاید اکرم خاں کے

سونے کا کمرا تھا۔ تھوڑی دیر اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد وہ بائیں طرف والے کمرے میں چلا گیا۔ گُل بڑے غور سے اِس مکان کو دیکھ رہا تھا، جہاں اس کے والد کے چچا نے اتنا عرصہ گمنامی کے عالم میں گزارا تھا۔

اس کمرے میں شاید اکرم خاں کی لائبریری تھی، کیوں کہ کتابوں کی بُو ابھی تک کمرے میں پھیلی ہوئی تھی اور دیواروں کے ساتھ الماریوں کے نشان بھی موجود تھے۔ اچانک کمرے کے ایک کونے میں عنبر نے فرش پر کوئی خاص بات محسوس کیا۔ باقی سارے کمرے کا فرش سیمنٹ کا بنا ہوا تھا، لیکن یہ حصّہ لکڑی کا تھا۔

وہ جھک کر کچھ ٹٹولنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کھڑا ہوا تو اُس کے ہاتھ میں لکڑی کا ایک کواڑ نما تختہ تھا۔ اس کے نیچے سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں۔

"تہہ خانہ!" نسیم نے حیرت سے کہا۔ "خفیہ تہہ خانہ!"

"ہاں۔ آؤ، نیچے چل کر دیکھیں۔" عنبر نے کہا۔

”مگر ہم ٹارچیں تو لائے نہیں۔“نسیم بولا۔

”ایسا کرو، سائیکل کی بتّی اُتار لاؤ۔“عنبر نے کہا۔

نسیم لپک کر بتّی لے آیا۔ وہ نیچے جانے لگا تھا کہ ٹھٹک گیا اور کہنے لگا۔ ”عنبر! تم چلو پہلے۔“

”واہ!“عنبر نے کہا۔ ”ڈر گئے؟ ارے بھئی، یہ مکان خالی ہے، اور اس تہہ خانے کے اندر کوئی ہوّا نہیں ہے۔“ اس نے نسیم کے ہاتھ سے بتّی لے لی اور نیچے اُترنے لگا۔ تہہ خانے میں کوئی خاص چیز نہ تھی۔ یہاں بھی کبھی کتابیں ہی رکھی جاتی ہوں گی۔ الماریوں کے نشانات یہاں بھی موجود تھے۔

”یہاں تو کچھ بھی نہیں۔“نسیم نے کہا۔ ”آؤ، اوپر چلیں۔“

اچانک انہیں اوپر کے کمرے میں کچھ لوگوں کے چلنے پھِرنے کی آواز سنائی دی۔

”پھنس گئے!“ نسیم نے کہا۔ ”اب اوپر نہیں جاسکتے۔“

”گھبراؤ نہیں۔“ عنبر نے بتّی بجھاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ”وہ لوگ ساری زندگی وہاں نہیں گزاریں گے۔“

گُل سمٹ کر عنبر کے نزدیک ہو گیا۔ دادا کے مکان کا یہ تہہ خانہ اُسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جلد از جلد اُوپر پہنچ جائے۔ تینوں دم بخود کھڑے ان لوگوں کی باتیں سُن رہے تھے۔

”ہم سارے گھر کا کونا کونا چھان چکے ہیں۔“ ایک بھاری آواز والے آدمی نے کہا۔

”تم کہیں ہمارا وقت تو ضائع نہیں کر رہے؟“ ایک اکھّڑ سی آواز نے کہا۔

”نہیں، میں آپ کا وقت ضائع نہیں کر رہا۔“ کسی بُڈھے کی آواز آئی۔ ”اگر وہ یہاں ہوتا تو آپ کو مل جاتا۔“

”سچ سچ بتاؤ، اس گھر میں کوئی اور خفیہ جگہ تو نہیں؟“ بھاری آواز والے نے

کہا۔

”نہیں۔ میں بیس سال اس گھر میں ملازم رہا ہوں۔ میں نے آپ کو کل ہی تمام جگہ دکھادی تھی۔ آپ اصرار کر کے دوبارہ آئے ہیں تو پھر دیکھ لیں۔ آپ یہ تہہ خانہ بھی دیکھ چکے ہیں۔ دوبارہ دیکھنا چاہتے ہیں تو۔۔۔“

لڑکوں کا خون جم کر رہ گیا۔ اگر لوگ نیچے آ گئے تو؟“

”نیچے تو کچھ بھی نہیں، رحمت۔“ اکھڑّ آواز والے نے کہا۔

عنبر پہلے ہی سمجھ چکا تھا کہ بوڑھا شخص رحمت ہی ہے جس کے بارے میں وکیل صاحب نے کہا تھا کہ وہ دادا کی وفات کے بعد اپنے گھر چلا گیا ہے۔

”جو کچھ میں جانتا تھا، وہ آپ کو بتا چکا ہوں۔“ رحمت نے کہا۔ ”بوڑھا کریم کسی پر بھی اعتبار نہ کرتا تھا۔ اس نے نہ جانے وہ ہیرا کہاں چھپایا ہے۔ وہ ہر ایک پر شک کرتا تھا۔ ہر ایک سے بچتا تھا۔ اس نے سالہا سال تک کسی کو اپنا اصل نام تک نہیں بتایا۔“

لڑکے اپنی خطرناک پوزیشن کو بھول کہ اوپر کمرے میں موجود آدمیوں کی گفتگو توجّہ سے سُن رہے تھے۔ اگر اُن لوگوں کو نقلی ہیرے کا علم تھا تو اُن کا تعلّق یا تو کالی مُونچھ اور عینک سے تھا، ورنہ پھر چاند تارے سے۔ کیوں کہ عنبر کے خیال میں ابھی تک صرف یہی دو آدمی ہیرے کے بارے میں جانتے تھے۔

اکھّڑ لہجے والا آدمی عجیب انداز سے ہنس کر کہنے لگا۔ ”چاند تارے نے ہمارے ساتھی فرید کو کس بے دردی سے قتل کر ڈالا۔“

”ارے چھوڑو اس کا ذکر۔ ختم ہو گیا وہ تو۔ اب تو سوال یہ ہے کہ ہیرا کہاں ہے؟“ بھاری آواز والے نے کہا۔

کالی مُونچھوں والے آدمی کی زبانی فرید کے قتل کا سُن کر لڑکوں کی آنکھوں کے سامنے چاند تارے کی خون آلود چھڑی لہرانے لگی۔

”اچھا، میں تو اب اپنے گاؤں جا سکتا ہوں نا؟“ رحمت نے پوچھا۔ ”میری بیوی انتظار کر رہی ہو گی۔“

”تم جا سکتے ہو یا نہیں، یہ بات ابھی ہم سوچیں گے۔“ اکھڑّ آواز والے نے کہا۔ ”کاش وہ تیز طرّار لڑکا میرے ہاتھ آ جائے۔ میں نے سُنا ہے کہ اُس کا دماغ مشین کی طرح کام کرتا ہے، مشین کی طرح۔“

”وہ تمہارے ہاتھ کیسے آ سکتا ہے۔“ بھاری آواز والے نے کہا۔ ”وہ بہت چالاک لڑکا ہے۔ اچھا آؤ چلتے ہیں۔ یہاں وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ۔ اگر ہم سارے امکان کو بھی گرا دیں گے تو بھی چشمِ نُور نہیں مل سکے گا۔“

اب اوپر اُن آدمیوں کے چلنے پھرنے کی آوازیں آنے لگیں اور پھر چند لمحوں میں ختم ہو گئیں۔ تینوں آدمی باہر چلے گئے تھے۔

”اُفّوہ! میں تو ڈر کے مارے چیخنے لگا تھا۔“ گُل نے کہا۔ ”بڑی مُشکل سے اپنے آپ کو قابو میں رکھا۔“

”میں سوچ رہا ہوں کہ چشمِ نُور کی تلاش میں یہ دو آدمی اور کون آ گئے؟“ نسیم نے کہا۔

”یہ فرید کے ساتھی ہیں۔“عنبر نے کہا۔”کالی مُونچھ کے۔“

عنبر آگے بڑھا اور گُل نے بتّی جلا کر اُسے راہ دکھائی۔ جُوں ہی اُس نے لکڑی کا کواڑ اُوپر اُٹھایا اُس پر ٹارچ کی تیز روشنی پڑی۔

ساتھ ہی اکھڑّ آدمی کی زور دار آواز گونجی۔ ”نکل آؤ، چالاک چوہے! ہم تمہیں دیکھ چُکے ہیں۔“

صحیح سُراغ

عنبر گھبرا گیا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ تینوں آدمی وہاں سے چلے گئے ہیں، لیکن اکھڑ لہجے والا آدمی ابھی کھڑا تھا۔ اس نے اوپر آکر دروازہ بند کر دیا۔ نیچے گُل نے بتّی گُل کر دی اور نسیم کا ہاتھ پکڑ کے دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ جتنی جلد وہ نکل کر اوپر روشنی میں جانا چاہتا تھا، اتنی ہی دیر ہوئی جارہی تھی۔

لیکن فی الحال گُل اور نسیم کو نیچے ہی رہنا تھا۔

عنبر کے اُوپر آتے ہی اس آدمی نے اس کے ہاتھ پیچھے کر کے پکڑ لیے۔ عنبر نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ اتنے میں بوڑھا رحمت اور بھاری آواز والا آدمی بھی کمرے میں واپس آ گئے۔ یہ ایک سوچی سمجھی چال تھی۔ لیکن عنبر کی سمجھ میں اس وقت کچھ نہ آرہا تھا۔

"رحمت!" بھاری آواز والے آدمی نے کہا۔ "تہہ خانے کا دروازہ بند کر دو۔ دو چوہے نیچے بھی ہیں۔ کہیں بھاگ نہ جائیں۔" اس کا لہجہ بڑا ظالمانہ تھا۔

اب عنبر سمجھ گیا۔ لڑکوں کا سُراغ لگانا اتنا مُشکل نہ تھا۔ وہ تینوں اپنی سائیکلیں مکان کے صحن میں کھڑی کر کے آئے تھے۔ نہ جانے یہ بات عنبر کو پہلے کیوں نہ سوجھی تھی۔ وہ اپنی اس بے وقوفی پر مُسکرا اٹھا۔

"بے وقوف چوہے!" بھاری آواز والے نے کہا۔ "کیوں مُسکرا رہے ہو؟"

"اس کی ساری مُسکراہٹ ابھی غائب ہو جائے گی۔" اکھڑّ لہجے والے آدمی نے کہا۔

رحمت آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ ''آپ اسے نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اس کام میں کوئی مار پیٹ نہیں ہو گی۔''

''تم اپنی چونچ بند رکھو، بوڑھے!'' اکھڑ لہجے والے آدمی نے کہا۔ ''اگر یہ چالاک لڑکا ہماری مدد کرنے پر آمادہ ہو جائے تو اِسے کوئی تکلیف نہیں دی جائے گی۔ جاؤ! باورچی خانے میں ایک کرسی پڑی ہے۔ وہ اُٹھا لاؤ۔''

رحمت کُرسی لے آیا تو بھاری آواز والا باہر چلا گیا۔ چند منٹ بعد وہ واپس آیا تو اُس کے ہاتھ میں رسّی کا ایک لمبا سا ٹکڑا تھا۔ رحمت کے سوا باقی دونوں آدمی عنبر کو کُرسی سے باندھنے لگے۔

انہوں نے عنبر کا ایک ہاتھ کُرسی کے ایک بازو سے باندھا اور دوسرا دوسرے بازو سے۔ پھر ایک پاؤں کُرسی کی اگلی ٹانگ سے اور دوسرا پاؤں دوسری ٹانگ سے باندھ دیا۔ کُرسی کی پُشت کے ساتھ سینے اور کمر کو جکڑ کر باندھ دیا گیا۔ سُراغ رساں نمبر ایک اب بالکل بے بس ہو چکا تھا۔

''اب ہم باتیں کر سکتے ہیں، اطمینان سے۔'' اکھڑ آواز والا شخص بولا۔

”ہاں، اب ایک چوہا اُوپر بندھ چکا ہے اور دو نیچے بند ہو چکے ہیں۔ اب اس سے باتیں کی جا سکتی ہیں۔“ بھاری آواز والا آدمی کہنے لگا۔

”اب بولو، لڑکے!“ اکھڑّ آدمی نے کہا۔ ”ہیرا کہاں ہے؟“

”میں نہیں جانتا۔“ عنبر نے کہا۔ ”ہم بھی اسے تلاش رہے ہیں۔ ان الفاظ میں ایک لفظ بھی جھوٹ نہ تھا، لیکن بھاری آواز اور اکھڑّ آواز والے کو اِن باتوں پر یقین نہ آیا۔ ان میں سے ایک جھلاّ کر بولا۔ ”سیدھی انگلیوں سے گھی نہیں نکلے گا۔ ترکیب نمبر پندرہ استعمال کرو۔“ دوسرے آدمی نے اپنی جیب سے ایک چاقو نکال لیا اور اُسے ہلا ہلا کر عنبر کو ڈرانے لگا۔ عنبر نے اُس پر بھی کچھ نہ بتایا تو اُس نے چاقو بند کر کے جیب میں رکھ لیا اور کہنے لگا۔ ”میرا خیال ہے اس کو واقعی کچھ پتا نہیں، ورنہ اس ترکیب کے آگے تو بڑے بڑے بول پڑتے ہیں۔“

”پھر بھی یہ چالاک لڑکا بہت کام کا ہے۔“ دوسرے آدمی نے کہا۔ ”کیوں لڑکے، تم جانتے ہو کہ بُدھ کے اس مجسّمے میں نقلی ہیرا کیوں چھپایا گیا تھا؟“

”میرا خیال ہے وہ نقلی ہیرا بُدھ کے مجسّمے میں دھوکا دینے کے لیے چھپایا گیا تھا تاکہ لوگوں کو غَلَط راستے پر ڈالا جا سکے۔“

”ہوں!“ بھاری آواز والے نے ایک گہرا سانس لیا۔ ”ہو سکتا ہے تم ٹھیک کہتے ہو؟“

”پھر اصلی ہیرا کہاں ہو سکتا ہے؟“ اکھڑّ لہجے والے نے سوال کیا۔

”ہو سکتا ہے وہ بُدھ کے کسی اور مجسّمے میں چھپایا گیا ہو۔“ عنبر نے کہا۔ اس نے سوچا، شاید یہ لوگ اب اُسے رہا کر دیں۔

”ہاں، تمہارا خیال ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔“ بھاری آواز والے نے کہا۔ ”تم واقعی بڑے کام کی چیز ہو۔“

”مگر اب بتانے سے کیا فائدہ؟“ اکھڑّ لہجے والے نے غصّے سے کہا۔ ”بُدھ کے تمام مجسّمے فروخت ہو چکے ہیں اور پورے شہر میں پھیل چکے ہیں۔ ہم صحیح مجسّمہ تلاش کرتے کرتے بوڑھے ہو جائیں گے۔“

”اوہ!“ بھاری آواز والے کا منہ لٹک گیا۔ ”یہ تو میں نے سوچا ہی نہ تھا۔“

”ہم کیوں تلاش کریں؟“ اکھڑّ آواز والے نے کہا۔ ”اُسے تو یہ چالاک چوہا ہمارے لیے تلاش کرے گا۔“ یہ کہتے ہوئے اُس نے عنبر کی کُرسی پر لات ماری۔ ”اگر اسے اپنی جان پیاری ہے تو یہ نہیں بتائے گا کہ ہم اس مجسّمے کو کیسے تلاش کریں۔ میں نے اس کی عقل مندی کے بہت چرچے سُنے ہیں۔“

عنبر نے سوچا کہ اگر اُس کی جان کو واقعی کوئی خطرہ لاحق ہوا تو تب وہ انہیں بھُوتوں سے مدد لینے والے طریقے کے بارے میں بتا سکتا ہے۔ لیکن اس وقت تو وہ اُن کا کچھ وقت ضائع کر سکتا تھا۔ ”میں بھلا کیسے جان سکتا ہوں کہ وہ مجسّمہ کہاں ہے۔“ اس نے بڑے بھُول پن سے کہا۔ ”میں کوئی نجومی تو نہیں ہوں۔“

”نجومی وجومی ہم نہیں جانتے۔ تمہیں بتانا ہی پڑے گا کہ وہ مجسّمہ کہاں ہے اور ہم اُسے کیسے حاصل سکتے ہیں؟“ بھاری آواز والے نے کہا۔

"اگر مجھے پتا ہوتا تو میں یہاں کیوں آتا؟" عنبر نے کہا۔ "میں مجسّمہ لینے کہیں اور نہ گیا ہوتا؟"

"اگر تمھیں پتا نہیں تو یہاں بیٹھے رہو، اس وقت تک جب تک تم ہمیں کوئی ترکیب نہ بتا دو۔" اکھڑّ آدمی نے کہا۔ "ہم نے تمھاری ذہانت کی بہت تعریفیں سُنی ہیں۔ ہم سارا دن یہاں بیٹھیں گے۔ ضرورت پڑی تو رات بھی یہیں گزار دیں گے۔ لیکن تمھیں کوئی نہ کوئی ترکیب نکالنی پڑے تھی۔ اگر تم نے اصل مجسّمے کو پانے کی کوئی ترکیب نہ بتائی تو تم اس کُرسی کے ساتھ بندھے رہو گے اور تمھارے دونوں ساتھی تہہ خانے میں بند رہیں گے۔"

عنبر نے سوچنا شروع کر دیا۔ لیکن یہ نہیں کہ بُدھاستیوا کا مجسّمہ کہاں ہو سکتا ہے، بلکہ یہ کہ عاقِب کب مدد لے کر یہاں آ سکتا ہے۔ عاقِب کو وہ صرف اسکاؤٹنگ اور مہم کے حوالے دے کر آیا تھا، لیکن کل اس مکان کی چابی اُس کے سامنے عنبر نے وکیل سے لی تھی۔ لہٰذا جلد یا بدیر اُسے یہ

سُوجھے گا ضرور کہ عنبر، نسیم اور گُل اکرم خاں کے مکان کی طرف گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے احمد داؤد ہی دوپہر کے بعد اُس سے چابی کا پوچھے اور عاقِب کو دھیان آ جائے۔ اس طرح کم از کم چار بج سکتے ہیں۔ ”کوئی بات نہیں۔“ عنبر نے سوچا۔ ”میں چار بجے تک انتظار کر سکتا ہوں۔“

”اتنے میں رحمت کمرے میں آیا اور کہنے لگا۔“ آپ کے ریڈیو میں سے گھُسر پھُسر کی آوازیں آ رہی ہیں۔“

”شاید فرید ہو گا۔“ بھاری آواز والے نے کہا۔ وہ جلدی سے باہر گیا اور ایک وائرلیس سیٹ لے آیا۔ یہ ٹرانسسٹر ریڈیو جیسا تھا۔ عنبر کو فرید کا نام سُن کر دھیان ہی نہ آیا کہ وہ تو مر چُکا ہے پھر وہ وائرلیس سیٹ پر کسی سے کیسے باتیں کر سکتا ہے؟“

”آ جاؤ، آ جاؤ، نمبر تین! آ جاؤ آ جاؤ، نمبر تین!“ وائرلیس سیٹ میں سے آواز آ رہی تھی۔

”آ گیا نمبر دو، آ گیا۔“ بھاری آواز والے نے جواب دیا۔

”کہاں چلے گئے تھے؟“میں تمہیں دس منٹ سے بُلا رہا ہوں۔“ آواز آئی۔

”ہم ذرا مصروف تھے۔ تمہاری طرف کیا خبر ہے؟“

”اِدھر گرما گرم خبر ہے؟“

”کیا؟ جلدی بتاؤ۔“

”دُکان میں جو لڑکا تھا، وہ ایک ٹیکسی لے کر کہیں گیا ہے۔ دُکان کا ایک اور آدمی بھی اُس کے ساتھ ہے۔“

عنبر خوش ہو گیا۔ عاقِب اور خالُو اُن کی تلاش میں چل نکلے تھے۔ اب تھوڑی دیر میں وہ یہاں پہنچنے ہی والے ہوں گے۔

”کیا وہ اِدھر آرہے ہیں؟ آرہے ہوں تو ہم لڑکوں کا کچھ بندوبست کریں۔ ہم نے یہاں تین چوہے پکڑ رکھے ہیں۔“

”نہیں۔ وہ تمہاری طرف نہیں جا رہے ہیں۔“ آواز آئی۔ وہ بابُو محلّے کی طرف جا رہے ہیں۔“

عنبر کا دل، جو خوشی سے دھڑکنے لگا تھا، پھر عام رفتار سے دھڑکنے لگا۔ عاقِب اور خالُو جان کسی اور جگہ جا رہے تھے، لیکن کہاں؟

"تمہارے خیال میں وہ لوگ وہاں کیا کرنے جا رہے ہیں؟"

"میرے خیال میں انہیں صحیح مجسّمے کا پتا چل گیا ہے اور وہ اُسے لینے جا رہے ہیں۔"

"اچھّا، ہم یہاں تمہاری اگلی اِطّلاع کا انتظار کریں گے۔ اکھڑّ آواز والے نے کہا اور وائرلیس سیٹ بند کر دیا۔

یہ تو بڑا بُرا ہوا عنبر سوچنے لگا، اب کیا ہو گا؟ وہ باہر صحن میں آتی ہوئی چھاؤں کو دیکھ رہا تھا اور سوچے جا رہا تھا، سوچے جا رہا تھا۔

عاقِب کا کارنامہ

عاقِب ابرار کے ٹیلے فون کے فوراً بعد کھانا کھانے چلا گیا۔ پھر وہ دُکان پر آیا اور عنبر کے خالُو کا ہاتھ بٹانے لگا۔ وہ رہ رہ کر سوچ رہا تھا کہ عنبر نسیم اور گُل کِدھر گئے؟ ہو سکتا ہے وہ کسی نئے سُراغ کی تلاش میں ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ عنبر کو کوئی نیا خیال سُوجھ گیا ہو، چشمِ نُور کے بارے میں۔ ہو سکتا ہے دادا کے خط کا کوئی نیا مطلب عنبر یا نسیم کی سمجھ میں آ گیا ہو، یا گُل کو ہی کوئی اور پرانی بات یاد آ گئی ہو۔

ادھر وہ جلد از جلد بابُو محلے جا کر بُدھاستیوا کا بُت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ چاند تاراوہاں پُراسرار طریقے سے پہلے ہی پہنچ جائے۔ آخر اُس سے رہا نہ گیا۔ اس نے خالُو سے اجازت لی، اپنے ساتھ دکان کا ایک ملازم لیا اور ٹیکسی میں بیٹھ کر بابُو محلّے کی طرف چل دیا۔ اُسے اپنے تعاقب میں آتے ہوئے فرید وغیرہ کوئی علم نہ ہوا۔ اُسے یہ بات مُشکل سے ہی سُوجھ سکتی تھی کہ کوئی اُس کا پیچھا کر سکتا ہے۔ وہ ملازم ساتھ بڑے اطمینان سے ٹیکسی میں بیٹھا ہوا تھا اور ٹیکسی فرّاٹے بھرتی جا رہی تھی۔

فرید اپنی کار میں عاقِب کا پیچھا کر رہا تھا اور اس نے دونوں کاروں کے درمیان اتنا فاصلہ رکھا تھا کہ اُسے شُبہ بھی نہ گزرے۔

آخر بابو محلّہ آ گیا۔ عاقِب ٹیکسی سے اُترا اور ڈرائیور کو انتظار کرنے کے لیے کہا۔ پھر وہ ایک قریب کے مکان کی گھنٹی بجانے لگا۔ اندر سے ایک لڑکا نکلا اور بولا۔ ”فرمایئے؟“

”میں عاقِب ہوں۔“

”سچ؟“لڑکا خوشی سے چلّایا۔ ”تین ننھے سُراغ رسانوں میں سے ایک؟“

”ہاں، ہاں۔“ عاقِب نے بتایا۔ ”آپ ابرار ہی ہیں نا جنھوں نے۔۔۔۔۔“

”ہاں، وہ ٹیلی فون میں نے ہی کیا تھا۔ ہماری خالہ نے کل نہ جانے کہاں سے ایک مجسّمہ لیا ہے۔ اس کا نام ہے بُدھاستیوا۔ ایک مجسّمہ ہماری امّی ابھی ابھی کہیں سے ڈھونڈ ڈھانڈ کر لائی ہیں۔ ہماری امّی ہر وہ کام کرتی ہیں جو اُن کی بہن کرے۔ میں نے خالہ جان کو بُلوایا ہے۔ وہ آتی ہی ہوں گی۔“

ابرار عاقِب کو اندر لے گیا اور اُس کے لیے چائے لے آیا۔ لیکن اُسے چائے سے زیادہ بُدھاستیوا کی فکر تھی۔ اُس نے بڑی مشکل سے چائے زہر مار کی اور پوچھا۔ ”آپ کی خالہ جان نہیں آئیں ابھی؟ آپ نے وہ مجسّمہ لانے کو بھی کہہ دیا ہے نا اُن سے؟“

”ہاں، وہ مجسّمہ لے کر ہی آئیں گی، اور آتی ہی ہوں گی بس۔“ ابرار نے کہا۔ ”لیکن عاقِب بھائی، آپ کو میری امّی والا مجسّمہ بھی لینا ہو گا، کیوں کہ جب انہیں پتا چلے گا کہ اُن کی بہن اپنا مجسّمہ واپس کر رہی ہیں تو وہ بھی اپنے

مجسّمے سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہیں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے منظور ہے۔"

"عاقِب بھائی۔" ابرار نے کہا۔ "یہ سُراغ رساں کیسے بنتے ہیں؟ مجھے بھی سُراغ رساں بننے کا بڑا شوق ہے۔ میں ٹی وی پر ساری جاسوسی فلمیں دیکھتا ہوں۔ اس کے علاوہ بچّوں کے جاسوسی ناول بھی پڑھتا ہوں۔ میں نے عمران کے چاروں کارنامے بھی پڑھے ہیں۔ میں نے 'سُنسان جزیرے کا راز' بھی پڑھا ہے۔ میں نے 'اُن کے کارنامے' بھی پڑھتے ہیں۔ بس کیا بتاؤں؟ میں نے اتنے سارے ناول پڑھے ہیں جاسوسی کے۔ سچ عاقِب بھائی، مجھے سُراغ رساں بننے کا بڑا شوق ہے۔"

"اگر ہمیں کبھی تمہاری مدد کی ضرورت ہوئی تو تمہیں ضرور بتائیں گے۔" عاقِب نے کہا۔

"سچ، عاقِب بھائی؟" ابرار خوشی کے مارے اُچھل پڑا۔ "اب تو آپ نے میرا گھر دیکھ ہی لیا ہے۔ آپ کو میرا ٹیلی فون نمبر بھی معلوم ہے۔ جب

کبھی آپ کو میری ضرورت پڑے، فوراً فون کر دیں۔ میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

"کہاں حاضر ہو جاؤ گے، باتونی بھانجے؟" اس کی خالہ نے اندر آتے ہوئے کہا۔ ان کے ہاتھوں میں بُدھاستیوا کا مجسّمہ تھا۔ انہوں نے عاقِب سے پوچھا کہ آخر اُن لوگوں کو اس مجسّمے کی کیا ضرورت آن پڑی؟

عاقِب نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر کہا۔ "دراصل میرے ایک دوست کو بُدھ کے مجسّمے جمع کرنے کا شوق ہے اور اسے یہ شوق اپنے دادا سے ورثے میں ملا ہے۔ آپ یہ مجسّمہ مجھے دے دیں۔ میں آپ کے پیسے آج ہی واپس کر دوں گا۔"

خالہ سے مجسّمہ لینے کے بعد وہ باہر آیا تو ابرار کی ماں نے راستے میں روک کر اُسے اپنا مجسّمہ بھی دے دیا۔ ابرار نے سچ کہا تھا۔ ابرار کی ماں نے کہا۔ "بیٹا جب اِن کا فیشن ہی نہیں تو میں اِسے سجا کر کیا کروں گی۔"

عاقِب نے ملازم کو آواز دی اور اُسے دوسرا مجسّمہ اُٹھانے کو کہا۔ اس کے

بعد دونوں ٹیکسی میں بیٹھ گئے تو عاقِب نے ملازم سے کہا۔ ”تم اس مجسّمے کو احتیاط سے اس ڈبّے میں بند کر دو، میں ذرا ابرار کا شکریہ ادا کر آؤں۔“

ملازم نے ابرار کی خالہ والے مجسّمے کو چیک کرنا شروع کر دیا اور عاقِب اندر چلا گیا۔

فرید اپنی کار میں بیٹھا ہوا وائرلیس پر اُن لوگوں کو بتا رہا تھا۔ ”اب وہ آدمی مجسّمہ پیک کر رہا اور لڑکا اندر گیا ہے۔“

”اب دیکھتے ہی رہو گے۔“ اکھڑّ آواز والے آدمی نے اُسے جھاڑا۔ ”یا کچھ کرو گے بھی؟“

”یہی سوچ رہا ہوں کہ کیا کروں!“

”ٹھہرو!“ بھاری آواز والے نے کہا۔ ”میری سمجھ میں ایک ترکیب آئی ہے۔ تم یوں کرو کہ لڑکے کی ٹیکسی کے سامنے ایک جھوٹ موٹ کا ایکسیڈنٹ کر دو۔“

اُدھر سے آواز آئی۔ ”کسی ایکسیڈنٹ کی ضرورت نہیں۔ لڑکے کے بعد ملازم بھی ٹیکسی سے اُتر کر چلا گیا ہے۔ شاید اُسے بلانے گیا ہے اور ٹیکسی ڈرائیور اُونگھ رہا ہے۔ میں داؤ مارتا ہوں۔“

تھوڑی دیر تک اُس کی آواز نہ آئی۔ اس کے بعد وہ بولا تو اُس کا سانس پھولا ہوا تھا اور وہ رُک رُک کر بول رہا تھا۔ ”کام بن گیا نمبر تین، کام بن گیا۔ میں ٹیکسی میں سے مجسّمہ اُٹھالایا ہوں۔ لو! وہ لڑکا اور آدمی گھر سے نکل کر ٹیکسی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ میں خفیہ ٹھکانے کی طرف جارہا ہوں۔“

”جاؤ!“ بھاری آواز والے نے کہا۔ ”ہم بھی وہیں آرہے ہیں۔ ہمارے وہاں آنے تک تم مجسّمہ نہ توڑنا۔“

عنبر یہ ساری باتیں سُن رہا تھا، لیکن بے بس تھا۔ وہ کچھ بھی تو نہ کر سکتا تھا۔ ان دونوں آدمیوں نے رحمت کو ساتھ لیا اور جھٹ پٹ وہاں سے چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد عنبر نے زور سے کہا۔ ”گُل! نسیم! تم ڈر تو نہیں

رہے؟"

"نہیں۔ کیا تم آزاد ہو گئے؟" نسیم نے پوچھا۔

"نہیں۔ میں آزاد نہیں ہوا البتّہ وہ لوگ چلے گئے ہیں۔" عنبر نے کہا۔ "میں کوئی ترکیب سوچتا ہوں، تم گھبرانا نہیں۔ ایک بُری خبر ہے۔"

"کیا؟" نسیم کی گھبرائی ہوئی آواز آئی۔

"بُدھاستیوا کا مجسّمہ دُشمنوں کے قبضے میں چلا گیا ہے۔" عنبر نے بتایا۔ "عاقِب یہ مجسّمہ حاصل کرنے میں کام یاب ہو گیا تھا، لیکن عین وقت پر وہ دشمنوں کے قبضے میں چلا گیا۔"

"تمھیں کیسے پتا چلا؟" گُل نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا تمھارے پاس کوئی وائرلیس ہے؟"

"تمھیں شاید یقین نہ آئے۔" عنبر نے کہا۔ "لیکن میرے پاس سچ مُچ وائرلیس ہی تھا۔ اچھا، کچھ دیر انتظار کرو۔ میں ایک کُرسی سے بُری طرح

جکڑا ہوا ہوں۔ اب اپنے آپ کو آزاد کرانے کے لیے کوئی ترکیب سوچتا ہوں۔"

نیا پیغام

عنبر نے اپنا نچلا ہونٹ مسلنا شروع کر دیا۔ وہ اپنے آپ کو کُرسی سے آزاد کرانا چاہتا تھا تاکہ نسیم اور گُل کو دروازہ کھول کر تہہ خانے سے نکال سکے۔ وہ اپنے ذہن میں سُراغ رسانی کی مختلف کہانیاں لانے لگا۔ ایسی کہانیوں میں جب بھی کبھی سُراغ رساں اس طرح باندھ دیا جاتا تو، یا تو اس کے قریب کوئی ٹوٹا ہوا شیشہ پڑا ہوتا جس سے وہ اپنی رسّیاں گھِس گھِس کر کاٹ لیتا، یا پھر اُس کے پاس یا اِرد گرد کوئی چاقو قسم کی چیز ہوتی جس سے وہ اپنی رسّیاں کاٹ کر آزاد ہو جاتا۔

مگر یہاں نہ تو کوئی چاقو تھا، نہ کوئی شیشے کا ٹوٹا ہوا ٹکڑا۔ وہ آخر کیا کرے؟

وہ کُرسی پر بے بس بیٹھا ہوا پہاڑی کے سائے کو مکان کے صحن میں بڑھتا دیکھ رہا تھا۔ اس کے دیکھتے دیکھتے سایہ لمبا، اور لمبا ہوتا چلا گیا۔ پہلا سایہ اور قسم کا تھا۔ لمبا ہونے سے اُس کی شکل کچھ اور ہو گئی۔ کچھ اور لمبا ہونے سے وہ کچھ اور بدل گئی۔ وہ سائے کو دیکھتا رہا اور نِچلا ہونٹ مسلتا رہا۔ اسے کوئی ترکیب سوجھ گئی تھی۔ اسے یوں لگا جیسے کوئی بلب اس کے دماغ میں جل اُٹھا ہو۔

اگر کسی طرح یہ کُرسی ٹوٹ جائے تو وہ آزاد ہونے کی کوشش میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ اس نے زور سے دائیں بائیں ہلنا شروع کر دیا۔ تھوڑی ہی کوشش سے کُرسی کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔ لیکن اس سے اُسے کوئی فائدہ نہ ہوا کیوں کہ یہ پچھلی ٹانگ تھی۔

پھر بھی وہ خوش تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کی ترکیب آخر کام یاب ہو جائے گی۔ وہ اِدھر اُدھر پھُدکنے لگا، کرسی سمیت۔ کبھی کسی طرف کو گرتا، کبھی

کسی طرف کو۔ اس سے فرش پر طرح طرح کی کھٹاک پٹاک کی آوازیں پیدا ہو رہی تھیں۔

”یہ، یہ کیا ہو رہا ہے؟“ نسیم نے گھبرا کے پوچھا۔ ”کچھ نہیں۔ میں آزاد ہونے کی کوشش کر رہا ہوں۔“ عنبر نے کہا۔

اب کُرسی کا جوڑ جوڑ ہلنے لگا تھا۔ اس کی چُولیں ڈھیلی ہو چکی تھیں۔ تھوڑی سی اور جدوجہد کے بعد ایک ٹانگ بالکل الگ ہو گئی۔ عنبر نے اپنے پاؤں کو زور زور سے جھٹکا دیا۔ اس طرح لکڑی کی ٹانگ الگ جا پڑی اور اُس کا ایک پاؤں آزاد ہو گیا۔ اب پھُدک پھُدک کر، دیوار کے ساتھ کرسی کا بازو ٹکرانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد اُس کے دونوں ہاتھ کھُل گئے۔ اب اس نے جھٹ پٹ دوسرا پاؤں، کمر اور سینہ بھی آزاد کر لیے اور تہہ خانے کا دروازہ کھول دیا۔

”گل! نسیم!“ اس نے آواز دی۔ ”اب تم دونوں باہر آ سکتے ہو۔“

"شکر ہے کہ تم آزاد ہو گئے۔" نسیم نے کہا۔ "اب تو ہماری سائیکل کی اس بتّی کے سیل بھی کمزور ہو رہے تھے۔ اگر تم دس بارہ منٹ اور لگا دیتے تو تہہ خانے میں اندھیرا گھُپ ہو جاتا۔"

"ہاں، مجھے تو ڈر لگ رہا تھا۔" گُل نے کہا۔ "میں تو کہتا ہوں کہ ہمیں ہیرے کی تلاش چھوڑ دینی چاہیے۔"

"اب تو وہ خود بخود ہی چھُٹ چکی ہے۔" عنبر نے افسردگی سے کہا۔

"وہ کیسے؟" نسیم نے کہا۔ "اوہ! میں سمجھ گیا۔ تم نے بتایا تھا کہ بُدھاستیوا کا مجسّمہ دشمن لے اُڑے ہیں۔"

"آؤ، اب واپس گھر چلتے ہیں۔" عنبر نے کہا۔ "اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ وہاں جا کر کوئی ترکیب سوچیں گے۔"

جب یہ لوگ گھر پہنچے تو عاقِب ان کی راہ دیکھ رہا تھا۔ اُن کے آتے ہی وہ آگے بڑھا اور جوش سے کہنے لگا۔ "عنبر! عنبر! بُدھاستیوا کا مجسّمہ مل گیا۔"

”ہاں، مل گیا اور چلا بھی گیا۔“عنبر نے کہا۔”میں سارا حال جانتا ہوں۔“

”تم کیسے جانتے ہو؟“ عاقِب نے کہا۔

”بس جانتا ہوں۔“

”تم کچھ نہیں جانتے۔“ عاقِب بولا۔ ”آؤ میں تمھیں بُدھاستیوا کا مجسّمہ دکھاؤں۔“ وہ اُس کا ہاتھ پکڑ کر ہیڈکوارٹر میں لے گیا۔ گُل اور نسیم بھی اُن کے پیچھے پیچھے تھے۔

ہیڈکوارٹر میں میز پر سچ مچ بُدھاستیوا کا مجسّمہ رکھا ہوا تھا۔

”یہ یہاں کیسے آیا؟“عنبر خوشی سے کِھل اُٹھا۔ ”دشمن تو اِسے لے اُڑے تھے؟“

”تمھیں کیسے معلوم ہوا؟“نسیم پھر چکرایا۔

”یہ میں تمھیں بعد میں بتاؤں گا۔“عنبر نے کہا۔”اس وقت تو تم یہ بتاؤ کہ یہ مجسّمہ تمھارے پاس کیسے آ گیا؟“

"یہ خالُو جان کے ملازم کا کرشمہ ہے۔" عاقِب بولا۔ "میں اس سے کہہ کر گیا تھا کہ یہ مجسّمہ پیک کر دو۔ اُس نے غلطی سے دوسرا پیک کر دیا جسے دشمن اُڑا کر لے گئے۔"

"یہ تو بڑی خوب صورت غلطی ہے۔" عنبر نے کہا۔ "اگر وہ غَلَطی نہ کرتا تو یہ مجسّمہ سچ مُچ کالی مُونچھ والا لے چُکا ہوتا۔" پھر وہ رُکا اور ایک لمحے بعد بولا۔ "نسیم! یہ کیا چکّر ہے؟ وہ کہہ رہا تھا کہ چاند تارے نے فرید کو مار ڈالا، لیکن بعد میں خود فرید سے باتیں کرتا رہا۔"

"یہ بات تو میری سمجھ میں بھی نہیں آئی۔ ہو سکتا ہے یہ کوئی اور فرید ہو۔" نسیم بولا۔

"اب ہمیں اس مجسّمے کو توڑ کر دیکھنا چاہیے۔" عنبر نے کہا۔ وہ مجسّمے کے نزدیک جا کر اُسے غور سے دیکھنے لگا۔ اس کے سر میں واقعی اس قسم کا کوئی نشان تھا جیسے کوئی چیز اندر ڈال کر بند کی گئی ہو۔ "میرا خیال ہے کہ اب چشمِ نُور ہمارے قبضے میں ہے۔" عنبر نے کہا۔ "نسیم! ذرا بھاگ کر گھر سے

ہتھوڑی لے آؤ۔"نسیم تھوڑی ہی دیر میں ہتھوڑی لے آیا۔ عنبر نے مجسّمے کو میز پر سے اُتار کر فرش پر رکھا اور اُسے توڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ گُل، نسیم اور عاقِب سانس روکے مجسّمے کو دیکھ رہے تھے۔

اچانک مجسّمہ ٹوٹ گیا!

اس کے ٹکڑے فرش پر بکھر گئے۔ اس مجسّمے میں سے چشمِ نُور کے بجائے کاغذ کا ایک پرزہ نکلا۔ انہوں نے جھُک کر پڑھا:

"اور گہرائی میں غور کرو۔ وقت بہت قیمتی ہے۔"

یہ گُل کے داداجان کی تحریر تھی۔

عاقِب کو اس رات اچھی طرح نیند نہ آئی۔ دن بھر کے واقعات اور بھاگ دوڑ اس کے ذہن میں گھومتے رہے۔ عنبر نے اپنے، نسیم اور گُل کے پکڑے جانے کا جو قصّہ سُنایا تھا، وہ بھی ایک فلم کی مانند اس کی نظروں کے آگے گھومتا رہا لیکن اتنا کچھ ہونے بعد نتیجہ کیا نکلا؟ بُدھا ستیوا کے مجسّمے میں

سے کاغذ کا ایک پرزہ! عنبر بھی رات بھر سو نہ سکا۔ وہ کاغذ کے پُرزے پر لکھے ہوئے الفاظ پر غور کرتا رہا اور دن کے واقعات اُس کی نظروں کے سامنے گھومتے رہے۔ ایک چیز بار بار اُس کی نظروں کے سامنے آ رہی تھی۔ وہ تھی اس کا کُرسی پر بندھا ہوا بیٹھنا اور ڈھلتی ہوئی چھاؤں کو دیکھتے رہنا۔ جُوں جُوں وہ اس بارے میں غور کرتا، اُس کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات آتے۔ آخر اُس نے یوں محسوس کیا کہ دادا جان کے پیغام کا ایک نیا مطلب اُس کی سمجھ میں آ رہا ہے جو اس سے پہلے نہ آیا تھا۔ اس نے خط جیب سے نکالا اور اُس کے ایک ایک لفظ کو غور سے پڑھا۔ پھر پڑھا۔۔۔۔ پھر پڑھا۔

اُسے یوں لگا جیسے وقت واقعی بہت قیمتی ہے۔ کل صبح اکرم خان مرحوم کا مکان اس آدمی کو دیا جانا تھا جس کے پاس گروی رکھا ہوا تھا۔ اس کے بعد مکان میں جانا مشکل ہو جائے گا۔ اس لیے کل کا دن عمل کا دن تھا۔

اُس نے دادا جان کی چِٹ نکالی جس پر لکھا ہر تھا۔ ”اور گہرائی میں غور کرو،

وقت بہت ہی قیمتی ہے۔" خط کا جو نیا مطلب عنبر کی سمجھ میں آیا تھا۔ یہ چٹ اُس کے مطابق درست معلوم ہوتی تھی۔ اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ اُسے صحیح حل مل گیا۔ لیکن اس حل کے صحیح یا غلط ہونے کا جواب کل کا دن ہی دے سکتا تھا۔ وہ بڑی بے تابی سے دن کا انتظار کرنے لگا۔

ناشتے کے فوراً بعد تینوں سُراغ رساں اپنے خفیہ ہیڈ کوارٹر میں جمع ہوئے۔ گُل بھی اُن کے ساتھ تھا۔

"میرا خیال ہے، دشمن نے مجھے رسّی سے باندھ کر بڑی مہربانی کی۔" عنبر نے کہا۔ عاقِب، نسیم اور گُل حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھنے لگے۔ وہ کیا کہہ رہا تھا۔

"انہوں نے مجھے دادا جان کے خط کا مطلب سمجھا دیا۔" عنبر نے مُسکرا کر کہا۔

"اوہ! سچ؟" عاقِب خوشی سے چلّایا۔

”اور وہ پرزہ جو کل ہمیں۔۔۔۔“نسیم بولا۔

”اس کا مطلب بھی سمجھ میں آ گیا، وہ پرزہ تو خط کے مضمون کو آگے بڑھاتا تھا، اس لیے خط کا مطلب سمجھ میں آئے بغیر پرزے کا مطلب ہماری سمجھ میں نہ آ سکتا تھا۔“ عنبر نے کہا۔ ”کتنی عجیب بات ہے کہ ہم نے دادا جان کے اس لفظ پر غور ہی نہیں کیا کہ گہرائی میں غور کرو۔“

”دادا جان کا مطلب گہرائی سے گہرائی ہی ہے۔ کیا تمھیں یاد نہیں کہ خط کے اُوپر اور نیچے انہوں نے تمھیں دو دو فٹ کی دُعائیں بھی دی تھیں؟“

”ہاں۔“ گُل بولا۔ ”لیکن خط کا ہر لفظ تو سراغ نہیں ہے نا؟“

”یہ تو ٹھیک ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”لیکن گہرائی، پیدائش کا سایہ اور دو دو فٹ۔ یہ تینوں چیزیں ہی اصل سُراغ ہیں۔“

”اور وہ مہاتما بُدھ، اور بُدھ کا دن۔ کیا اُن کا ملنا محض اتّفاق تھا؟“ عاقِب بولا۔

”نہیں۔ وہ بھی اِتّفاق نہیں تھا۔ وہ بھی جان بوجھ کر لکھا گیا۔ بُدھ کا لفظ بھی سُراغ ہے؟“عنبر بولا۔

”بھئی، صاف صاف بتاؤ آخر اس خط کا تم کیا مطلب سمجھے؟“

”بتاتا ہوں۔“عنبر نے کہا۔ ”دادا جان نے سوچا تھا کہ اُن کے مرنے کے بعد تم یا تمہارے والد آئیں گے اور خوش حال پُور کے پاس پہاڑی کے دامن میں بنے ہوئے ان کے مکان میں رہیں گے، اور تم دھوپ چھاؤں کو ڈھلتے دیکھو گے، جیسے کل میں نے دیکھا۔“

”بھئی، شاعری نہ کرو۔“نسیم بولا۔

”جلدی سے بتاؤ، کیا مطلب ہے خط کا؟“ عاقِب بھی بے صبری سے بولا۔

”صرف گُل خاموشی سے ان تینوں سُراغ رسانوں کے چہروں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”اچھّا بھئی، شروع سے سُنو۔“عنبر نے کہا۔ ”جب میں کل کُرسی پر بندھا

ہوا بیٹھا تھا اور میری سمجھ میں آزادی حاصل کرنے کی ترکیب نہ آئی تھی تو میں بے بسی سے باہر صحن میں پھیلتی چھاؤں کو دیکھ رہا تھا۔ مکان اس انداز سے بنا ہوا ہے کہ پہاڑی کا سایہ کئی شکلیں بدلتا ہے، اور ساڑھے چار بجے کے قریب بالکل مہاتما بُدھ کے مجسّمے جیسا سایہ بن جاتا ہے۔"

تینوں لڑکے منہ پھاڑے عنبر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ بُدھ سے مراد مہاتما بُدھ کی شکل جیسا سایہ ہو سکتا ہے!"

"آگے دادا جان نے لکھا ہے: دو دو فٹ دعاؤں کے ساتھ۔" عنبر بولا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح مجسّمے بُدھ کے ہیں، اسی قسم کی شکل ہمیں باقی سائے میں سے ناپ کر جُدا کرنی ہے۔ یہ شکل دو فِٹ لمبی اور دو ہی فٹ چوڑی ہو گی۔"

"خوب!"

"اور گہرائی میں جا کر اور غور سے مراد ہے کہ ہمیں دو دو فُٹ تک زمین کھودنا ہو گی۔ تب نہیں چشمِ نُور ملے گا۔"

”ہوں!“ عاقِب نے کہا۔ ”مگر پیدائش کا سایہ۔۔۔“

”پیدائش کے سائے سے یہ مراد ہے کہ سایہ صرف اُسی دن کا ناپنا چاہیے جس دن گُل پیدا ہوا تھا۔ اسی لیے دادا جان نے اِس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ وقت بہت قیمتی ہے۔ اگر ایک سال گرہ نکل جائے تو بالکل صحیح جگہ کے لیے ہو سکتا ہے اگلی سالگرہ تک انتظار کرنا پڑے۔“

”مگر میری سالگرہ تو آج ہے۔“ گُل نے کہا۔ ”تب تو ہمیں جلدی کرنی چاہیے۔“

”میں نے پوری سکیم بنالی ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”میں رات بھر نہیں سویا۔“

”وہ تو ظاہر ہے۔“ گُل نے کہا۔ ”میری خاطر تم لوگوں کو بہت پریشانی اٹھانا پڑ رہی ہے۔“

”کوئی بات نہیں۔“ عنبر نے سینہ تان کر کہا۔ ”ہم پریشانیوں ڈرنے والے نہیں ہیں اور پھر اب تو منزل قریب آگئی ہے۔“

”اب ہم کیا کریں؟“

”دوپہر تک آرام کریں گے اور دوپہر کا کھانا کھا کر خُوش حال پُور چلیں گے۔“عنبر نے کہا۔

دوپہر کا کھانا کھاتے ہی وہ خوش حال پُور چلے گئے۔ اب کے وہ ایک بس کے ذریعے گئے تھے۔ بس نے خُوش حال پُور کے ایک اسٹاپ پر اُن لوگوں کو اُتار دیا۔ اس کے بعد وہ پیدل اُس پہاڑی کی طرف چل پڑے۔ پھر دادا جان کا مکان تھا۔ مگر دُور سے اُسے دیکھ کر عنبر اور اس کے ساتھیوں کو بڑی مایوسی ہوئی۔ مکان کے نئے مالک نے آج ہی مکان کو گِرانا شروع کر دیا تھا۔

”اب کیا ہو گا؟“ عاقِب نے کہا۔ ”ہم اتنی آسانی سے منصوبے پر عمل نہ کر سکیں گے۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو۔“عنبر نے کہا۔ ”مگر ہم بھی ہارنے والے نہیں۔“ وہ یہ کہتا ہوا آگے بڑھا۔ ایک آدمی سے پوچھنے لگا کہ مکان کیوں گرایا جا رہا

ہے۔ ”نیا مالک یہاں دُکانیں بنانا چاہتا ہے۔“ اس آدمی نے جواب دیا۔ ”یہاں نہ کھڑے ہو۔ کوئی اینٹ وینٹ لگ جائے گی۔“

”دراصل، ہمارا یہ دوست سنگاپور سے آیا ہے۔“ عنبر نے گُل کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اور یہ مکان پہلے اِس کے دادا کا تھا۔ یہ اسے دیکھنا چاہتا تھا۔“

”مگر ہم کام نہیں روک سکتے، صاحب“ آدمی نے کہا۔ ”ٹھیکے دار کا حکم ہے کہ پانچ دن کے اندر اندر ساری زمین ہموار ہو جانی چاہیے تاکہ وہ نئی عمارت کے لیے بنیادیں کھدوا سکے۔“

”چلو گل۔“ عنبر نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ”میں اپنے کیمرے سے تمہارے دادا کے اس مکان کی دو ایک تصویریں ہی اُتار لیتا ہوں۔ تم اِسے یادگار کے طور پر رکھ لینا۔“

”مگر کیمرا کہاں ہے؟“

"اوہو! وہ تو میں گھر پر ہی بھول آیا ہوں۔" عنبر نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"اچانک وہ دو قدم اور چل کر زمین پر جھک گیا اور بولا۔ "پتا نہیں میرے جوتے نے تسمے کیوں ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔" پیچھے سے ایک مزدور چلّایا۔ "بابُو صاحب! بچ کے۔ آگے نہ جاؤ، اوپر سے ملبہ گر رہا ہے۔"

"اچھا چلو۔ ہم واپس چلتے ہیں۔"

"واپس؟"

"ہاں، اور ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔" عنبر نے کہا اور پھر خوش حال پُور کے اسٹاپ پر پہنچنے کے بعد اپنے ساتھیوں کو بتایا۔ "ہم شام کے بعد یہاں آئیں ہیں!"

"مم۔۔۔۔ مگر اس وقت تو سایہ نہیں ہو گا!" عاقِب بولا۔ "کوئی بات نہیں۔" عنبر نے کہا۔ "شاہین ہماری راہ نمائی کرے گا۔"

کالی مُونچھوں کے نرغے میں

شہر واپس آتے ہوئے نسیم اور عاقِب نے عنبر سے پوچھا کہ یہ شاہین کون ہے اور کس طرح اُن کی راہ نمائی کرے گا۔ مگر عنبر خاموش رہا۔ البتّہ ہیڈ کوارٹر جاکر وہ ایک چیز بنانے لگا جس کا تعلّق یقیناً چشمِ نُور کی تلاش سے ہی تھا۔ شام تک وہ بہت مصروف رہا۔ شام کے وقت وہ ہاتھ جھاڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا۔ ”اب سب کچھ تیّار ہے۔“

”پھر ہم چلیں؟“ عاقِب نے کہا۔

”آدھ گھنٹے بعد چلیں گے۔“عنبر نے کہا۔”میں نے کِنگ موٹر کمپنی کو فون کر کے اللہ داد کو مرسیڈیز گاڑی لانے کو کہا ہے۔وہ آتا ہی ہو گا۔“

”کیا ہم آخری بار کار استعمال کر رہے ہیں؟“نسیم نے پوچھا۔

”ہاں۔“عنبر نے جواب دیا۔”لیکن ہم ٹیکسی میں چلیں گے۔ یہ کار میں نے احتیاطاً منگوائی ہے۔ہمارا پیچھا بھی کیا جا سکتا ہے۔“

”ہاں، یہ ٹھیک ہے۔“ عاقِب نے کہا۔”لیکن اب تم کیا کرنے لگے ہو؟“

”ہم خالُو جان کی دُکان سے چار پُتلے لے کر انہیں کپڑے پہنا دیں گے اور انہیں اللہ داد کے ساتھ مرسیڈیز میں بھیج دیں گے، غلط جگہ پر۔“عنبر نے کہا۔”اگر ہماری تاک میں کوئی شخص بیٹھا ہو گا تو وہ مرسیڈیز کار میں بیٹھے ہوئے پُتلوں کو سُراغ رساں سمجھ کر اُن کے پیچھے لگ جائے گا۔ کار کے جانے کے دس منٹ بعد ٹیکسی لے کر اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے۔“

”پروگرام تو بہت اچھا ہے۔ لیکن خالُو جان۔۔۔۔“

”خالُو جان سے میں پوچھ چُکا ہوں۔“ عنبر نے کہا۔ ”وہ پُتلے دینے پر راضی ہیں۔ بلکہ وہی اُنہیں کپڑے بھی پہنا دیں گے۔ البتّہ انہیں کار میں بٹھانے کا کام ہمیں خود۔۔۔۔۔۔“ اسی لمحے خالُو جان کی آواز آئی۔ ”اللہ داد آ گیا ہے۔“

چاروں لڑکوں نے ایک ایک پُتلا تیّار کیا اور اُسے اُٹھا کے مرسیڈیز کار میں بٹھا دیا۔ اللہ داد ہنسنے لگا۔ ”کیا آج تم نہیں جا رہے کہیں؟“

”نہیں۔ آج یہی تمہارے مسافر ہیں۔“ عنبر نے سنجیدگی سے کہا۔ ”جب تم سفر شروع کرو تو کار کی بتّیاں چند لمحے کے لیے گُل کر دینا۔“

”اس طرح کیا ہو گا؟“ اللہ داد نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ وہ ان بچّوں کی حرکتوں میں بہت دلچسپی لیتا تھا۔ عنبر نے اُسے بات سمجھائی تو وہ مُسکرانے لگا۔ وہ اس ڈرامے میں اپنا پارٹ خوشی سے ادا کر رہا تھا۔ ”ضرور ضرور۔“ اس نے کہا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ عنبر نے اُسے بتا دیا تھا کہ کار خوش حال پُور کے بجائے کسی اور طرف لے جائے۔

”اب اگر کوئی آدمی ہمارا پیچھا کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کار کے پیچھے لگ جائے گا۔“عنبر نے کہا۔

”اب ہمیں اپنی کارروائی شروع کر دینی چاہیے۔“

اس نے اپنا آلہ اُٹھایا اور ایک بیلچہ عاقِب کو تھما دیا۔ نسیم ٹیکسی لینے چلا گیا۔ ٹیکسی آتے ہی چاروں لڑکے اُس میں بیٹھ گئے اور سیدھے خوش حال پُور کی طرف روانہ ہو گئے۔ عنبر نے احتیاطاً کئی بار پیچھے مُڑ مُڑ کے دیکھا۔ کوئی کار اُن کا پیچھا نہیں کر رہی تھی۔ وہ اپنی ترکیب کی کام یابی پر بہت خوش ہوا۔

خوش حال پُور کی پہاڑی کے قریب تینوں سُراغ رساں ٹیکسی سے اُترے اور گُل سے کہا۔ ”تم ڈرائیور کے پاس بیٹھ جاؤ۔ اگر اس طرف کوئی کار وغیرہ آئے تو ہارن بجا دینا تاکہ ہمیں خبر ہو جائے۔“

”اچھّا۔“گُل نے کہا۔ ”تم جاؤ۔ فکر نہ کرو۔“

مکان کے صحن میں پہنچ کر عنبر نے آہستہ سے کہا۔ ”یہاں تک تو سب

ٹھیک ہو گیا۔ اب میرا یہ آلہ شاہین پوچھ کے بتائے گا کہ ہمیں کس جگہ زمین کھودنا ہے۔" اس نے آلہ زمین پر اِدھر اُدھر پھرانا شروع کر دیا۔

"بھئی اب تو بتادو کہ یہ کیا چکّر ہے؟" نسیم سے رہا نہ گیا۔

"یہ دھات کا کھوج لگانے والا آلہ ہے۔" عنبر نے بتایا۔ "جہاں کہیں زمین میں دھات دبی ہو گی، یہ پیں پیں کی آواز نکالنے لگے گا۔"

"مگر چشمِ نُور تو دھات نہیں۔" عاقِب بولا۔

"چشمِ نُور تو دھات نہیں مگر میرا شاہین تو دھات بنا ہوا ہے۔ وہ آلے کو بُلائے گا۔" عنبر نے انہیں پریشان ہوتے دیکھ کر کہا۔ "لو، میں بتائے ہی دیتا ہوں۔ جب میں بوٹ کا تسمہ باندھنے لگا تھا تو میں نے اپنی جیب ایک سِکّہ نکال کر زمین میں چھُپا دیا تھا۔"

"لیکن ہمارے سِکّے یہ شاہین کہاں بنا ہوتا ہے؟" نسیم نے کہا۔

"وہ ہمارا سِکّہ نہیں، امریکا کا سِکّہ تھا۔ ۵۰ سینٹ کا۔ اس پر شاہین کی تصویر

بنی ہوتی ہے۔'' عنبر نے بتایا۔ اسی لمحے اُس کے آلے نے پیں پیں شروع کر دی۔

''بس ہمیں یہیں کھودنا ہے۔ پہلے میں اپنا سِکّہ نکال لوں۔'' عنبر نے جھک کر زمین کُریدی اور سِکّہ نکال کر جیب میں ڈال لیا۔

''اب ہمیں دو فٹ کی گہرائی تل، دو فٹ لمبا اور دو فٹ چوڑا گڑھا کھودنا ہے۔''

نسیم نے گڑھا کھودنا شروع کر دیا۔

تینوں سُراغ رسانوں کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد عنبر نے کہا۔ ''لاؤ، اب میں کھودتا ہوں۔ جُوں جُوں وقت گزرتا جا رہا تھا، سُراغ رسانوں کے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہوتی جارہی تھیں۔ کسی بھی لمحے چشمِ نُور انہیں مل سکتا تھا۔

اچانک بیلچہ کسی چیز سے ٹکرایا۔ ''نسیم! ٹارچ جلاؤ۔'' عنبر نے کہا اور وہ نیچے

جھک گیا۔ جب وہ کھڑا ہوا تو اُس کے ہاتھوں میں لکڑی کا ایک خوب صورت ڈبّا تھا۔ اس نے اُس پر سے مٹّی جھاڑی اور پھر اللہ کا نام ے کر اسے کھول دیا۔

مخمل کے کپڑے پر رکھا ہوا ایک سُرخ ہیرا دمک اُٹھا!

"تم نے کمال کر دیا، عنبر!" نسیم چلّایا۔ "تم نے پھر کمال کر دیا! تم نے چشمِ نُور ڈھونڈ ہی نکالا۔"

"شاباش! شاباش!" عاقِب بھی خوشی سے چلّایا۔ اس کے ساتھ ہی ایک جانی پہچانی آواز آئی۔

"شاباش شاباش! اب یہ ہیرا اِدھر دے دو۔ ہم کافی دیر سے تمہارا انتظار کر رہے تھے۔"

عنبر نے دیکھا، سامنے کچھ فاصلے پر کالی مُونچھوں اور سفید عینک والا آدمی کھڑا تھا۔ دوسری طرف دیکھا تو وہاں بھی اسی حُلیے کا ایک آدمی تھا۔ تیسری

اور چوتھی طرف بھی اُسی طرح کی بلائیں موجود تھیں۔ ان کے یہاں سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا!

"دیر مت کرو۔ چشمِ نُور ہمارے حوالے کر دس۔" وہ آدمی بولا۔ عنبر خوف کے مارے تھر تھر کانپنے لگا۔ عاقِب اور نسیم نے اُسے کبھی اتنا ڈرتے نہیں دیکھا تھا۔ اس کے ہاتھ کانپے تو ہیرا نیچے گڑھے میں گِر گیا۔ وہ جھکتے ہوئے بولا۔ "م۔۔۔۔۔ مم۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ ابھی د۔۔۔۔۔۔۔ دد۔۔۔۔ دیتا ہوں۔۔۔۔ اُوں ۔۔۔۔اُوں۔" پھر اُس نے کانپتے ہاتھوں سے ہیرا اُٹھایا اور دُور پھینکتے ہوئے کہا۔ "یہ لیجئے۔"

چاروں آدمی فوراً اپنی اپنی جگہ سے ہلے اور ہیرے کو تلاش کرنے لگے۔ عنبر نسیم اور عاقِب پوری رفتار ہے دوڑتے ہوئے ٹیکسی کے پاس آئے اور عنبر نے ڈرائیور سے کہا۔ "فوراً واپس چلو!"

چشمِ نُور مجھے دے دو

کریم انٹر پرائز ابھی بند نہ ہوئی تھی۔ ٹیکسی اُس کے سامنے آ کے رُکی اور چاروں لڑکے اُتر کر دُکان میں چلے گئے۔

"اچھا بھئی، قسمت میں یہی لکھا تھا۔" نسیم نے ٹھنڈا سانس لیا۔

"ہاں۔" عنبر نے کہا۔ لیکن وہ اُداس یا گھبرایا ہوا نہ تھا۔ "دراصل ہمارا خیال غَلَط نکلا۔ اُن لوگوں نے یہاں سے ہمارا پیچھا کرنا مناسب نہ سمجھا اور وہیں انتظار کرتے رہے۔"

”مگر تم کچھ مطمئن نظر آ رہے ہو۔“ عاقِب نے کہا۔

”اس کی وجہ میں ابھی آپ لوگوں کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔“ عنبر نے عجیب انداز سے کہا۔ ”خواتین و حضرات! اوہو! معاف کرنا۔ حضرات ہی حضرات! آپ کی خدمت میں اصل چشمِ نُور۔“

یہ کہتے ہوئے اس نے اصل ہیرا اُن کے سامنے کر دیا۔

تینوں لڑکے حیرت سے کبھی ہیرے کو دیکھتے اور کبھی عنبر کو۔ ”جو ہیرا میں نے کالی مُونچھوں کے گروہ کو دیا تھا، وہ نقلی چشمِ نُور تھا جو چاند تارا کل یہاں کاؤنٹر پر چھوڑ گیا تھا۔“

”تو گویا وہ تمہارا کانپنا جھکنا، ہیرا گرانا اور اُٹھانا، سب کچھ ۔۔۔۔۔“ نسیم کہنے لگا۔

”ہاں، وہ ایک بہانہ تھا۔ جوں ہی کالی مُونچھ والے نے حکم دیا کہ ہیرا انہیں دے دوں، تو جھٹ پٹ میں نے یہ ترکیب سوچ لی۔“

"تم نے ہمیں یہ بات راستے میں کیوں نہیں بتائی؟ ہم تمام راستے اُداس رہے۔" عاقِب مُسکرا کر بولا۔

"اور تمہیں پھر اُداس ہونا پڑے گا۔" اچانک انہیں ایک آواز سُنائی دی۔ انہوں نے سر اُٹھا کر دیکھا۔ سامنے چاند تارا کھڑا تھا اور اس کے چہرے پر ایک مکّار لومڑی کی سی مُسکراہٹ تھی۔

عنبر نے سب سے پہلے کام یہ کیا کہ چشمِ نُور کاؤنٹر سے اُٹھا کر جیب میں ڈال لیا۔

"اچھے بچّے۔" چاند تارے نے کہا۔ "چشمِ نُور مجھے دے!" ساتھ ہی اس نے اپنی خطرناک چھری کا رُخ ان کی طرف کر دیا۔

لڑکے حیرت اور پریشانی سے اُس کی طرف دیکھتے رہے۔

"بھاگنے کی کوشش بے سُود ہے۔ چیخو گے تو بھی مدد آنے سے پہلے میں کم از کم دو کو تو ٹھکانے لگا دوں گا۔ سیدھی طرح چشمِ نُور مجھے دے دو۔" اس

نے کہا۔ ”میں بہت دیر سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ وہ مرسیڈیز والا کھیل، پھر سب کچھ مجھے معلوم ہے۔“

عنبر نے تھُوک نگلتے ہوئے کہا۔ ”جناب راما کرشنا تیواڑی صاحب، آپ سنگاپور سے ہی آئے ہیں نا؟“

”ہاں، میں اپنا کارڈ تمہیں پہلی ہی ملاقات میں دے چکا ہوں۔“

”آپ کا اس مندر سے کیا تعلّق ہے جس کی مورتی کی آنکھ میں چشمِ نُور لگا ہوا تھا۔“

”میں۔۔۔۔۔ میں اُس مندر کا پجاری ہوں۔ میں ہر قیمت پر یہ ہیرا اُس کی آنکھ میں لگاؤں گا، چاہے مجھے۔۔۔۔“

”راما کرشنا جی۔“ عنبر نے کہا۔ ”ایک لمحے کے لیے میری بات سُنیں۔ آپ کو تو یہ معلوم ہو گا کہ یہ ہیرا اگر چھین لیا جائے تو اپنے مالک کو نقصان سکتا ہے۔ اسے صرف خریدا جا سکتا ہے یا تحفے میں دیا جا سکتا ہے، یا پھر پایا جا سکتا

ہے۔ ”عنبر نے ہیرا جیب سے نکال کر گُل کو دیتے ہوئے کہا۔ ”یہ ہیرا میں نے پایا تھا، اور میں گُل کو دے رہا ہوں، اس لیے آپ ہم دونوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اگر آپ چھینیں گے تو آپ جانتے ہیں کہ۔۔۔۔۔۔“ عنبر نے اپنا فقرہ بیچ میں ہی چھوڑ دیا۔

چاند تارے نے اپنی چھڑی نیچی کر لی اور بولا۔ ”ننّھے شیطان، میں یہ باتیں جانتا ہوں۔ میں ایک لمحے میں تم سے یہ ہیرا چھین سکتا تھا، لیکن بار بار یہی کہتا رہا کہ چشمِ نُور مجھے دے دو۔“ اس وقت اُس کے چہرے کی ساری مکّاری غائب ہو چکی تھی اور وہ ایک سیدھا سادہ بے ضرر سا شریف آدمی دکھائی دے رہا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ تم گھبرا کے، ڈر کے چشمِ نُور مجھے دے دو گے۔ لیکن تم بہت ہی ہوشیار نکلے۔ تم جیت گئے، میں ہار گیا۔“

”پھر؟“

”اب تم کل صبح میرے ہوٹل میں آ جاؤ۔ میں اس ہیرے کو ہر قیمت پر خریدنا چاہتا ہوں۔ اُمّید ہے کہ کو ہمارا سودا طے ہو جائے گا۔ میں سنگاپور

سے اِسی کی تلاش میں آیا تھا۔"

"لیکن وہ کالی مُونچھ والے۔۔۔۔۔۔" گُل نے کہا۔ "اگر کل انہوں نے پھِر ہم سے۔۔۔"

چاند تارا ہنسا۔ "تم بہت بھولے ہو، بیٹے۔ وہ کالی مُونچھ والا میرا ہی آدمی ہے۔ وہ اب تمہیں کچھ نہیں کہے گا؟"

صبح کو ناشتے کے فوراً بعد عنبر، عاقِب، نسیم اور گُل نے خالُو جان کو ساتھ لیا اور ہوٹل پہنچ گئے۔

وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ فرید چاند تارے کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ یہ وہی کالی مُونچھ والا تھا جو نقلی ہیرے والا مجسّمہ لے گیا اور جس کے بارے میں چاند تارے نے لڑکوں کو بتایا تھا کہ اس کا کام تمام کر دیا گیا ہے۔

"ان سے ملو۔ یہ ہیں فرید، وکیل احمد داؤد کے بھتیجے۔" راما کرشنا تیواڑی نے کہا۔

”بھتیجے صاحب۔“ عنبر نے بھنویں سُکیڑتے ہوئے کہا۔ ”آپ ہمیں ایک ضروری بات بتائیں۔“

”پوچھیے۔“

”وکیل صاحب نے وہ سارا ڈراما ہی رچایا تھا نا؟ کُرسی اُلٹنا اور اُن کا الماری میں ہاتھ پاؤں باندھ کر بند ہونا؟“

”تو تمھیں شُبہ ہو گیا تھا؟“ فرید نے کہا۔ ”وہ واقعی ڈراما تھا۔ ہوا یہ کہ یہ راما کرشنا جی چچا داؤد سے ملنے آئے اور کہنے لگے کہ اگر خط کی نقل انہیں دے دی جائے تو یہ معقول معاوضہ دیں گے۔ چچا نہیں مانے۔ میں نے ان لوگوں کی گفتگو سُن لی اور چچا سے ضد کر کے نقل لے لی۔ اب چچا نے شرمندگی سے بچنے کے لیے حملے کا ڈراما رچایا۔ ان کے کہنے پر میں نے ہی ہاتھ پاؤں باندھ کر انہیں الماری میں بند کیا تھا۔ تم لوگوں نے آنے سے ایک دو منٹ پہلے۔“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ہماری اور داؤد صاحب کی باتیں بھی سُن

رہے ہوں گے۔"

"ہاں، میں اس وقت دفتر کے غسل خانے میں چھُپا ہوا تھا۔" فرید نے کہا۔
"تبھی تو میں تم سے پہلے بُدھ کا معصومیت والا مجسّمہ لے اُڑا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ اس طرح ہیرا میرے ہاتھ لگ گیا تو ان سے کُچھ پیسے مل جائیں گے۔ انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ پیسے بھی دیں گے اور سنگاپور کی سیر بھی کرائیں گے۔"

عنبر کی سمجھ میں اب یہ بات آگئی تھی کہ چاند تارے نے نقلی ہیرا اتنی جلدی کیسے حاصل کر لیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ سب لوگ ایک ہی تھے تو یہ کوئی مشکل کام نہ تھا۔

"اچھا راما کرشنا جی۔" عنبر نے کہا۔ "آپ نے وہ خون میں لتھڑا ہوا بید دکھا کے ہمیں کیوں ڈرایا تھا۔"

"مجھے پتا تھا کہ تم لوگ گُل کے لیے ہیرا تلاش کر رہے ہو۔ اگر میں تمہیں نہ ڈراتا تو تم مجھے ہیرا کیسے دے دیتے۔"

"افّوہ! میری تو جان ہی نکل گئی تھی۔" نسیم نے کہا۔

راما کرشنا کو ہنسی آگئی۔ "اچھا، اب سودا کر لیا جائے۔" سودا آسانی سے طے ہو گیا۔ گُل کو پچھتّر ہزار روپے ملے۔ راما کرشنا تیواڑی نے فرید کو سنگاپور چلنے کی دعوت دی جو اس منظور کر لی۔

گُل نے دو ہزار تینوں سُراغ رسانوں کو بطور انعام دیے۔ وہ لینا نہیں چاہتے تھے، مگر جب گُل نے انہیں دوستی کا واسطہ دیا تو مان گئے۔ گُل نے انہیں یہ دعوت بھی دی کہ جب کبھی وہ سنگاپُور آئیں تو انہی کے گھر ٹھہریں۔ اس کے علاوہ گُل نے ایک اہم کام کیا۔ اس نے کِنگ موٹر کمپنی کو کچھ رقم بطور کرایہ پیشگی ادا کر دی تاکہ تین ننھے سُراغ رساں جب بھی فون کریں، انہیں اللہ داد کے ہاتھ کار بھیج دی جائے۔

اس دن جب چاروں لڑکے خالُو جان کے ساتھ ہوٹل سے باہر نکلے تو خالُو جان کہنے لگے۔ "اتنا کچھ ہوتا رہا اور ہمیں بتایا ہی نہیں۔"

"خالُو جان، آپ بڑے اچھّے ہیں۔" عنبر نے محبّت سے کہا۔ "آپ کو ہم

بتاتے تو آپ ہمیں کچھ نہ کہتے، لیکن۔۔۔۔"

"لیکن کیا؟"

"لیکن آپ خالہ جان کو ضرور بتا دیتے اور وہ ہماری خبر لیتیں۔" عنبر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "اسی ڈر کے مارے ہم نے آپ کو نہیں بتایا۔"

"تم ہو تو بڑے ذہین۔" خالُو جان نے زور دار قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "مگر ہو پکّے شیطان۔"

"اس طرح ہماری خالہ کیا ہوئیں۔" عنبر نے لُقمہ دیا۔

"شیطان کی خالہ۔" خالُو کہتے کہتے رُک گئے اور سب لڑکے زور زور سے ہنسنے لگے۔

ختم شد